لطائفُ الشُّعراء

لطائف الشعرا

مفتی انتظام اللہ شہابی

سے نوازا گیا

قیمت ایک روپیہ چار آنہ عہ

نیا کتاب گھر جامع مسجد دہلی ۶

(فاروقی پریس دہلی میں چھپی)

حضرت قدسی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہزادی جہاں آرا بیگم شمع سے جل کر صاحب فراش ہوگئی۔ زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ حکیم داؤد محمد خاں طبیب خاص شاہ ایران جیسے حاذق علاج سے عاجز آ گئے رف جراح اور ہامون فقیر نے بھی علاج معالجہ کیا۔ لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا آخر ڈاکٹر بائن کے علاج سے تندرست ہوئیں۔ اس علالت پر لاکھ روپیہ صرف ہوا غسل صحت پر حاجی محمد جان قدسی نے ایک قصیدہ شہزادی کے نذر گذرانا جس کا شعر ذیل شہزادی کو پسند آیا ؎

تا سر زدہ از شمع چنیں بے ادبی — پروانہ ز عشق شمع را سوختہ است

شہزادی نے اپنی جیب خاص سے حاجی صاحب کو پانچ ہزار روپیہ مرحمت فرمائے۔

حضرت ماہر

مرزا محمد علی ماہر جہاں آرا بیگم کے دربار کا شاعر تھا اس نے ایک مختصر مثنوی شہزادی کی تعریف میں لکھی۔ شہزادی کو یہ شعر پسند خاطر ہوا۔

بذات او صفات کردگار است — کہ خود پنہاں فیضش آشکار است

چنانچہ ماہر کو اسکی مہارت سخن پر بیحد انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

حضرت روشن ضمیر

روشن ضمیر شاعر بقول ضامن خاں عہد شاہجہانی کا امیر خسرو ثانی ہے۔

در نظم و نثر فارسی و اشعار ہندی مشق او بجائے رسیدہ بود کہ امیر خسرو ثانیش تواں گفت:۔

جب عالمگیر شاہ شجاع کے خلاف بر سر پیکار ہوا تو روشن ضمیر نے قبل از وقت ہی مژدہ فتح سنا کر ایک رباعی کے ذریعہ ہدیہ تبریک پیش کیا جلد دوم صفحہ ۵

یہ رباعی عین اس وقت پڑھی گئی جب بادشاہ جنگ کے لئے اپنے بادپیما اسپ پر سوار ہو رہا تھا۔

رباعی

اے حرز تو سورہ تبارک بادا — پیوستہ ترا تاج تبارک بادا
جستم ز پے شگونِ نصرت تاریخ — دل گفت شنو فتح مبارک بادا

عالمگیر نے اس رباعی کو اچھا شگون خیال کر کے روشن ضمیر کو پانچ ہزار روپیہ بطور انعام عطا فرمائے۔

شاہزادی جہاں آرا بیگم

شہزادی جہاں آرا بڑی عالمہ فاضلہ تھی اس نے ۲۶ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۴۹ء میں مونس الارواح کتاب لکھی۔ شہزادی خواجہ غریب نواز

کی بے حد معتقد تھی آٹھ سال اپنے باپ کی خدمت گذاری کرتی رہی یہ
زمانہ تھا کہ باپ قلعہ آگرہ میں نظر بند تھا۔ باپ کے انتقال پر درویشانہ
زندگی اختیار کرلی۔ اپنی جائداد کا بڑا حصہ غریب لڑکیوں کی تعلیم و تربیت
میں صرف تصوف کی دلدادہ تھی ۱۰۹۲ء میں انتقال ہوا شہزادی
نے تین کروڑ روپیہ ترکہ میں چھوڑے یہ روپیہ شہزادی کی وصیت کے مطابق
حضرت نظام الدین قدس سرہ کی درگاہ شریف کے خدام کے خرچ ہوگیا
قبر خام ہے اور اس کے مزار سنگ پر بر تعویز ہے اس پر یہ شعر کندہ ہے

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا — کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

حضرت حافظ شیرازی

حافظ شیرازی کی محبوبہ نے داغ مفارقت دیا اس وقت حافظ صاحب
وہاں موجود نہ تھے کہتے ہیں ؎

دلبرم عزم سفر کرد خدارا حافظ — چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با او ست

شیر خاں لودی نے اپنی خود نوشت سیرت میں لکھا ہے کہ حافظ
کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین پر جھگڑا اٹھا کہ آئین اسلام کے مطابق
ہو بھی سکتی ہے۔ گرما گرم بحثیں رہیں آخرش ایک شخص نے دیوان حافظ
جو کھولا تو نکلا ؎

قدم دریغ مدار از جنازہ حافظ — کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہ بہشت

ایک دن شاہ اسپ اپنی گراں بہا انگوٹھی سے کھیل رہا تھا

حسنِ اتفاق سے انگوٹھی ہاتھ سے چھٹ گئی تلاش پر بھی نہ ملی بادشاہ نے کہا دیوان حافظ سے فال دیکھو چنانچہ یہ شعر برآمد ہوا ؎

دلے کہ غیب نمایست و جام جم دارد | ز خاتمے کہ دمے گم شود چہ غم دارد

بادشاہ اس شعر کے موزوں حال ہونے سے بہت خوش ہوا ابھی یہی کہا کہ اس نے اپنے گھٹنو پر ہاتھ رکھا لبادہ میں گم شدہ انگوٹھی دستیاب ہو گئی۔

شاہ ہمایوں اور بہادر شاہ

شاہ ہمایوں نے بہادر شاہ والیٔ گجرات و مالوہ کی سرکوبی کا بیڑہ اُٹھایا۔ لیکن سارنگپور کے نزدیک پہونچکر معلوم ہوا کہ بہادر شاہ قلعہ چیتور کے فتح کرنے میں مشغول ہے۔ اگر ہمایوں عقلمند اور سیاستداں ہوتا تو اس وقت آسانی سے بہادر شاہ پر غلبہ پا سکتا تھا مگر اسلامی سیاست کا تقاضہ دوسرا تھا۔ اس نے بہادر شاہ کے خلاف راجپوتوں کی مدد کے بجائے یہ انتظار کیا کہ جب بہادر شاہ چیتور کے قلعہ پر قبضہ کرے اور راجپوتوں کو زیر کرلے تو اس کے بعد اس پر حملہ کروں اس اثنا میں اس نے ذیل کا قطعہ تصنیف کر کے بہادر شاہ کے پاس بھیجا ؎

اے کہ ہستی غنیم شہر چیتور | کافراں راچہ طور میگیری
بادشاہ رسید بر سر تو | تو نشستہ چیتور میگیری

بہادر شاہ سخن سنج نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

من کہ مستمم غنیم شہر چتور | کافراں را بجور می گیرم
ہر کہ بکند حمایت چتور | تو بدین کش چطور می گیرم

قطعات میں چتور اور چطور کی صفت قابل داد ہے۔ فرشتہ جلد اول صـ ۳۶۹

اکبر اعظم

اکبر اعظم نے جب سکندر سور کی سرکوبی کا ارادہ کیا تو دیوان حافظ سے فال نکالی یہ بیت بر آمد ہوا ؎

سکندر را نمی بخشند آبے | بزور و زر میسر نیست این کار

(سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۷۶)

فرخ سیر

فرخ سیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے سکہ پر یہ شعر کندہ کرایا ؎

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر | بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

اس سال دہلی میں خشک سال کے آثار نمودار ہوئے اور غلہ بہت گراں ہوگیا۔ اس مناسبت سے بعض ظریفوں نے مندرجہ بالا بیت کو اس طرح مشہور کیا ؎

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر
بادشاہ دانہ کش فرخ سیر

(لیٹر مغلز از ولیم اروِن جلد اول صـ ۳۹۹)

حضرت ولی منشی ولی رام اور دارا شکوہ

دارا شکوہ صوفی منش تھا اعلم العلما ملا وجیہ الدین گوپا موی مؤلف فتاوی عالمگیری کا تربیت یافتہ تھا شیفتۃ الاولیا وغیرہ تصانیف سے ہیں اس کے مصاحب شعرا میں سے منشی ولی رام ولی بھی تھا۔ عربی فارسی ہندی میں اس نے طبع آزمائی کی ہے اس کی مثنوی ملقب بہ شش وزن ہے ؎

چہ دل واری دریں دنیا کہ دنیا سے چلا جانا ہے

چہ دل بندی دریں عالم کہ سر پر چھوڑ جانا ہے

چو ہنگام اجل آید بکارت کہ نہ لکہ آید

بچھائی کاد کی تیری وہی تیرا بچھانا ہے

یہ مثنوی دارا شکوہ کی خدمت میں پیش کی مالائے مروارید اسکو عطا کیا گیا۔

سلمان ساوجی

سلطان اویس مشق تیر اندازی کی کر رہا تھا اور سعادت اس کا غلام تیر اٹھا کر لاتا تھا۔ سلمان ساوجی اس طرف سے گذرے بدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

شہا تیرہ رہ بند تدبیر تست سعادت رواں درپئے تیر تست

ایک دفعہ رات کو سلمان بادشاہ اویس کے پاس سے رخصت ہو کر چلا اندھیرا بہت تھا سونے کی لالٹین مرصع کار محفل میں رکھی تھی

بادشاہ نے وہ ساتھ کر دی۔ دوسرے دن خدمتگار شاہی لالٹین لینے گیا۔ سلمان نے یہ شعر لکھ کر بھیجے ؎

من و شمع دو دل سوختہ و خانہ سیاہ — کہ شب او گردید و من از غم خود افروزم
شمع خود سوخت بشب و شب بزاری افروز — گر لگن بطلبد شاہ زمن مے سوزم

بادشاہ سن کر ہنسا اور لالٹین اس کو ہی عطا کر دی۔

سلامی کلامی

محمد شریف ہجری وزیر اصفہان سلامی شاعر تعریف میں قصیدہ لایا۔ صلہ کے تقاضے کے لئے اس کا بھائی سلامی جاتا ہجری کہتا ہے ؎

دو چیز است بدتر از تیغ حرامی — کلام سلامی سلام کلامی

واقف

قاضی نورالعین واقف حضرت خان آرزو کا شاگرد تھا۔ لکھنؤ جا کر فاخر مکیں سے ملاقات کی مرزائے مذکور بد مغ اور مغرور تھا واقف کے کلام پر جا و بیجا اعتراض کرنے لگا واقف اس کی شان میں کہتا ہے۔

مرزا مکین ما نشود چو بکین ما — کین است جزو اعظم مرزا مکین ما

واقف علی حزین سے ملا دونوں رو چکے تو واقف نے شعر پڑھا

ہمراہ پدر تا چند اے زیبا پسر گردی
الٰہی بے پدر گردی الٰہی بے پدر گردی

غنیمت نے کہا واقف مری رائے یہ ہے

ہمراہ پدر تا چند اے کافر پسر گردی
خدا سازد قیمت تا گراں قیمت گہر گردی

حضرت بیدل

مرزا عبدالقادر بیدل بادشاہ کے یہاں بیٹھے تھے چار ابرو کا صفایا تھا قمر الدین خاں موجود تھا محمد امین خاں ملاقات کو آیا مرزا کا ڈیل ڈول رنگ ڈھنگ سب سے نرالا دیکھ کر اس نے پوچھا:

معلوم ہوا تو چین بجبیں ہو کر پوچھا
ریش و بروت چرا تراشیدی

مرزا نے یہ شعر پڑھا

ریش و بروت خویش تراشیدہ ایم ما
لیکن دل کسے نہ خراشیدہ ایم ما

قمر الدین خاں نے نواب محمد امین خاں سے کہا آپ نے اُن سے بھی ملاقات کی مرزا بیدل صاحب یہی ہیں۔ اُدھر مرزا سے کہا کہ نواب سے ملاقات کیجیئے۔ وزیر الممالک بہت سخن فہم اور معنی شناس ہیں"

لطیفہ

ایک کابلی سوداگر انار ہندوستان میں بیچنے کو لایا انار سب گلے نکلے

جو چند باقی رہ گئے تھے وہ مرزا صاحب کے نذر کے لیے لایا اور عرض حال کیا

مرزا نے ایک شعر اُسے لکھ دیا اور نواب لطف اللہ خاں کے پاس بھیج دیا

بخیہ کفشم اگر دندان نما شد عیب نیست — خندہ دارد چرخ ہم بر ہرزہ گردی ہائے من

نواب لطف اللہ خاں مرزا کا حسن طلب سمجھے کہ شاید کفش ٹوٹ گئی ہو

اس وقت ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا۔ مرزا بیدل نے کل روپیہ انار فروش

کو عطا کیا۔

قاضی مبارک

فتح علی شاہ نقشبندی کے احباب جمع تھے مسائل تصوف بیان

ہو رہے۔ ایک صاحب نے قاضی مبارک شارح سلم گوپاموی کا ذکر کیا

کہ انھوں نے بعض مسئلہ صوفیا کو اپنی شرح میں بڑی خوبی سے بیان کئے

ہیں وجود اور قطب الاقطاب پر معرکہ کی بحث کی ہے شاہ صاحب بولے

میاں حال اور ہے قال اور ہے

ملا نداشت تاب جمالِ محمدی

کنج گرفت قاضی مبارک بہانہ ساخت

عاشقِ محروم

لطف علی آذر پہلے محروم تخلص کرتے تھے میر عبدالحی تاباں کی

طرح بے انتہا حسین وجمیل تھے۔ ایک دن ایک مجلس میں آئے جہاں مرزا جعفر

راہب اور آغا محمد عاشق بھی موجود تھے۔ عاشق نے لطف علی سے سوال کیا کہ آپ تخلص کیا کرتے ہیں انھوں نے کہا "محروم" پھر لطف پوچھا آپ کا تخلص کیا ہے انھوں نے جواب دیا عاشق۔ مرزا جعفر راہب نے عاشق سے پوچھا کیا تخلص بتایا۔ گویا عاشق کو اشارہ تھا۔ انھوں نے برجستہ کہا بندہ "عاشق محروم" اہل مجلس نے اس لطیفہ پر بے اختیار ہنسنا شروع کیا لطف علی خفیف سے ہو گئے اور گھر آکر اپنا پہلا دیوان جلا دیا اور محروم تخلص ترک کر کے آذر تخلص اختیار کیا۔[1]

قاضی سراج الدین علی خاں آرزو

قاضی سراج الدین علی خاں آرزو آخری عمر میں نواب شجاع الدولہ کے دربار سے تین سو روپیہ ماہوار پر منسلک ہو گئے تھے۔ مرض الموت میں گرفتار ہوئے موت کے قریب ایک شخص آیا اور کہنے لگا بہت دن سے آرزو تھی کہ آپ سے نیاز حاصل کروں انھوں نے جواب دیا۔

امروز آرزوئے شما تمام می شود

خان آرزو

ایک نوجوان خان موصوف کے خدمت میں لڑکپن سے آتا تھا وہ سر راہ ملا خانصاحب نے اُسے ٹھہرانا چاہا مگر وہ نہ ٹھہرا۔ اُنھوں نے بار بار

---

[1] عقد ثریا از حضرت مصحفی امروہوی۔

روکا اور یہ شعر پڑھا ؎

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

شیخ علی حزیں

شیخ علی حزیں اصفہانی بد دماغ شاعر تھا اپنے کو بہت اونچا شاعر گردانتا تھا۔ ہندوستان میں آیا یہاں حضرت قاضی سراج الدین علی خاں آرزو کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حزیں کو کون خطرے میں لاتا۔ چند کاسالیس اس کے ہم مسلک مداح تھے۔ ایران میں جگہ جگہ پھرا اگر کہیں قدردانی نہ ہوئی ایک علت میں مبتلا ہو کر دلی آیا یہاں اس سے اعتراض کرنے لگے..... چلا گیا وہ جگہ اس کو بھاگئی کہتا ہے ؎

از بنارس نروم معبد عام است اینجا
ہر برہمن پسر لچھمن و رام است اینجا

تنبیہ الغافلین

خان آرزو نے حزیں کے چار سو اشعار پر اعتراض کئے اس مجموعہ کا نام تنبیہ الغافلین رکھا شیخ اس کو پڑھ کر جل گیا اس کا جواب رجم الشیاطین لکھا مگر حزیں اعتراض اٹھا نہ سکا۔ ایک تذکرہ نویس جو خیریت سے تدریس میں ملکۂ خاص رکھتے ہیں۔ انھوں نے حزیں کو بڑا سراہا ہے مگر اسکی طعن و تشنیع

سے لوگ گھن کھاتے تھے اور عیب جوئی سے متنفر تھے ابوالفضل اور فیضی کو لکھتا ہے۔

کہ درز اغان ہند ازین دو برادر بہتر ترے برنخاستہ۔"

خان آرزو کی ایک غزل علی حزیں کے سامنے پڑھی گئی ؎

عشق روزے کہ بدل خلعتِ سودا بخشید | جامہ داری یمن از دامن صحرا بخشید
خجلم از روئے حبابم کہ باین تنگی ظرف | انچہ در کیسہ خود داشت بدریا بخشید

ہر ایک ٹنے جاننے والے کو یہ شعر سنا تا اور کہتا خان آرزو کے کلام پر یہ اصلاح دی۔ اس شعر پر برسوں الجھا کیا اور فخریہ کہتا ہے کہ ؎

خجل از چشم حبابم کہ بیک ظرف تنک
انچہ در کاسہ خود داشت بدریا بخشید

آرزو اکبر آبادی

قاضی سراج الدین علی خاں آرزو اکبر آبادی مخاطب بہ استعداد خاں ۱۰۹۹ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ حسام الدین تھے "منزل غیب" سے تاریخ ولادت عربی کی کتب متداولہ شیخ عماد الدین مشہور درویش محمد سے پڑھیں شعر و سخن میں میر عبدالصمد سخن سے اصلاح لی۔ شاہ گلشن حضرت حاتم۔ عصمت اللہ کامل۔ محمد مقیم آزاد اور علی عظیم سے صحبتیں رہیں۔ فرخ سیر کے اوائل جلوس کے زمانہ میں نوکری کی تلاش میں دلی آئے۔ بیدل۔ ناصر علی۔ قدرت کے ندیم جلیس مرزا افضل سرخوش زندہ تھے۔

لیکن بینائی باقی نہ تھی۔ آرزو ملنے گئے سرخوش نے اپنی بیاض اپنے لڑکے فضل اللہ کو دی کہ شعر سنائیے۔ آرزو نے کہا بیٹے کو جو "نور چشم" کہا کرتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں سرخوش نے بھی خان آرزو سے کلام سنانے کی فرمائش کی انھوں نے پاس ادب سے عذر کیا لیکن سرخوش کے اصرار کرنے پر ایک غزل سنائی جس کا ایک بیت یہ ہے ؎

تخم چو گرد باد ز خاک آب می خورد
افتاد گیست مایۂ نشو و نمائے من

سرخوش نے یہ شعر سنا بیحد محظوظ ہوئے اور آرزو کے سر و پیشانی کو چومنے لگے اور فرمایا کہ مدت سے اس شہر میں ہوں لیکن اس شہر کے نئے آنے والوں میں سے کوئی ایسا صاحب طبع نظر نہ آیا[۱]

حضرت ناسخ لکھنوی

ناسخ فربہ اندام اور اس پر طرہ سیاہ فام ہونے کا لکھنؤ کے من چلے شیخ صاحب کو دم کٹے ڈھینچے سے یاد کیا کرتے۔ خود بھی اپنی سیاہی رنگ کا اعتراف اپنے کلام میں کیا ہے ؎

میں گو کہ حسن ظاہر میں مثل ماہ نہیں
ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہیں

خواجہ آتش نے ناسخ پر یہ پھبتی کسی ؎

---

[۱] (سفینۂ خوشگو)

رو سیہ دشمن کا کیجیے نگار
جیسے سلہٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

فقیر محمد خاں گویا نے یہ شعر سنا تو اپنے استاد کی طرف سے جواب دیا ؎

ہے یقین گل ہو جو دیکھے گیسوئے دلبر چراغ
کالے کے بھلا روشن رہے کیونکر چراغ (مرادِ آتش)

آتش سے نہ رہا گیا فرماتے ہیں ؎

فروغ حسن پر کب زورِ زلف چلتا ہے
یہ وہ چراغ ہے کالے کے آگے جلتا ہے

حضرت سودا دہلوی

میر انیس لکھنوی کے دادا میر خلیق صاحب بڑے لطیفہ گو اور تمسخر آمیز لہجہ رکھتے تھے اس کے ساتھ شاعری کا غرور بھی تھا پہلوان سخن مرزا رفیع سودا کے منہ آئے وہ تیز طراز کلہے کو میر صاحب کو خطرہ میں لانیوالے تھے۔ ان کی اہلیہ کو محل تفریح بنایا۔ افسوس ہے ان کی سیادت کی بھی پاسداری نہ کی کہتے ہیں ؎

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا
بوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب ہلایا
تب شیخ سدو اس پر غصہ کو کھا کے آیا

بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ناسخ لکھنوی

شیخ امام بخش ناسخ کے دوست شیخ منعم تھے ان پر پھبتی کہتے ہیں ؎

دیکھنا ناسخ سر شیخ منعم کی طرف   کیا کلس مسواک کا ہے گنبد دستار پر

حضرت رنگین دہلوی

سعادت خاں رنگین خوش مزاج اور کہنہ مشق شاعر اور شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ میر انشاء اللہ خاں انشاء مرزا اسجان قلی بیگ راغب اور رنگین تینوں دریا کی سیر کو گئے گھاٹ پر ٹھہر کر جمنا میں نگاہ ڈالی دریا کمال طغیانی پر تھا مرزا اسجان قلی بیگ نے یہ مصرعہ کہا ؎

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

رنگین فی الفور بولے

تا ملی کس کو کدھر گھاٹ ہے

ہر ایک نے فی البدیہہ کہنے پر داد دی۔

(مجالس رنگین صفحہ ۴۴)

بقا اللہ بقا اکبرآبادی

بقا۔ نازک دماغی میں میر اور تندمزاجی میں سودا کا جواب تھے۔

معرکہ سخن میں گاہے گاہے دونوں سے دست وگریباں ہو جاتے تھے۔میر پر پھبتی کسی ؎

تو یہ زاہد کی تو بہ تلی ہے — چلئے بیٹھئے تو شیخ جلی ہے
پگڑی اپنی سنبھالئے گا میر — اور بستی نہیں یہ دلی ہے

لطیفہ

آبرو لی

جانصاحب کہتے ہیں ؎

اے ہُوا گوہر حسین آباد کے تالاب پر
آبرو لی چاندخاں نے کل ہماری رات کو

لطیفہ:۔
حضرت سودا کے سامنے ایک دن حضرتِ ضاحک آ گئے ڈاڑھی کے بال پریشان تھے اُن کے چھیڑنے کو سودا کہتے ہیں ؎

تنہا نہ ہمارا ہی مضحک ہے تو اے ضاحک
گیدی تری ڈاڑھی پہ ہنستا ہے سدا شانہ

میر تقی میر اکبرآبادی

میر تقی میر اکبرآبادی دلی جاکے رہے انکے مکان کے قریب ایک عطار کی دوکان تھی، وہ خوش مذاق آدمی تھا۔میر صاحب کی قدرو منزلت کرتا۔میر صاحب عموماً اس کی دوکان پر جابیٹھا کرتے اس کا لڑکا جو

تھا وہ بناؤ سنگار کر کے دوکان پر بیٹھتا میر صاحب کو یہ بات ناگوار گذرتی

ایک دن برجستہ شعر کہا ؎

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت ہیں
اس نسخہ کی کوئی نہ رہی ہم کو دوا یاد

حضرت احسانؔ دہلوی

حافظ عبدالرحمٰن خاں احسانؔ دہلوی شاہ ابوظفر ہمیشہ ان کی عزت و توقیر کیا کرتے اور تا زیست وظیفہ شاہی عطا ہوتا رہا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ وظیفہ میں کچھ دیر ہوئی بادشاہ شکار ماہی کے لئے گئے وہیں عین شکار میں کہہ کر ایک قطعہ پیش کیا ؎

عید ماہی و صید دل شاہا — خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا — یعنی ڈوبے کا ہو نکالنا خوب
نطب صاحب پہنچے جب حضور گئے — وہ دوماہا گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے
صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

حضرت سوداؔ دہلوی

شیخ قائم علی اٹاوہ کے رہنے والے اور طباع شاعر تھے ایک دن شاگرد ہونے کی غرض سے مرزا سودا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرزا نے

تخلص پوچھا وہ بولے میرا تخلص اُمیدوار ہے ۔ یہ سنکر مرزا مسکرائے اور برجستہ شعر پڑھا ؎

ہے فیض سے کسی کے شجر ان کا باردار
اسواسطے کیا ہے تخلص اُمیدوار

حضرت ناسخ لکھنوی

شیخ امام بخش ناسخ کے زمانہ میں میر گھسیٹا نامی ایک شخص تھے۔ ناسخ سے اور اُن سے بیر تھا یہ اُن سے بہت ہی تنگ آ گئے تھے ۔ وہ مرے تو کہتے ہیں ؎

ہائے حبیب مرگیا گھسیٹا ۔ ہر ایک نے اپنے منہ کو پیٹا
ناسخ نے کہی یہ بیٹھکے تاریخ ۔ افسوس کہ موت نے گھسیٹا

فکر :-

ایک دن حضرت ناسخ اپنے ملنے والے سوداگر کے یہاں گئے ان کا خوبصورت و خوبرو لڑکا پلنگ پر پڑا سو رہا تھا ۔ خمار آلودہ نیند کے سبب اس کی آنکھیں کچھ بند اور کچھ کھلی تھیں ناسخ نے اس دلفریب طرز خواب پر ایک مصرعہ موزوں کیا ؎

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے

مگر اس کے مناسب دوسرا مصرعہ بن نہ پڑا اس فکر میں گھر لوٹے اتنے میں ان کے شاگرد رشید خواجہ وزیر آ نکلے استاد متفکر نظر آئے پوچھا

اُستاد خیر تو ہے شیخ صاحب نے مصرعہ سنایا خواجہ نے دوسرا برجستہ مصرعہ لگا دیا ۔

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے فتنہ تو سو گیا ہے در فتنہ باز ہے

مرزا غالب اکبر آبادی

حضرت ذوق پالکی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ غالب کی نظر پڑی۔ چوں کہ اُن سے ہمعصرانہ چشمک تھی انہوں نے یہ مصرعہ فی البدیہہ کہکر پڑھا۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

ذوق نے سُن لیا اور بادشاہ سے جا لگائی۔ بادشاہ نے غالب کو بلوایا اور پوچھا کہ آج آپ نے کونسی غزل کہی ہے انہوں نے پُوری غزل سنائی ۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

آخر میں مقطع میں یہ مصرعہ شامل کر کے سنایا

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

لطیفہ

مرزا غالب نے مولانا غلام امام شہید سے اپنے خاص ظریفانہ انداز میں دریافت کیا آپ شہید کب سے ہوئے اور کیونکر ہوئے۔ غلام امام نے فرمایا کہ جب سے کافر غالب ہوئے " اور مرزا کا یہ شعر لکھ کر بھیجدیا ۔

باس مادر نیز اے پدر فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

مرزا مسکرا کر رہ گئے۔

حضرت آتش اور معتمد الدولہ آغا میر

میر آغا تھا بڑا کنجوس اور راشی مرزا غالب نے ایک ماہ لکھنؤ رہ کر بہت چاہا آغا میر سے ملاقات ہو جاوے۔ مگر اس نے مرزا صاحب کو موقعہ ہی نہیں دیا اس پر فرماتے ہیں ؎

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

آغا میر نے امام باڑہ بنوایا اور جھاڑ فانوس اور شیشہ آلات سے غیرت روضۂ رضوان اس کو سجایا پہلے بزم مشاعرہ آراستہ کی پندرہ دن پہلے تمام شعراء کے مکان پر معہ مصرعہ طرح رقعہ بزم آرائی کے روانہ کئے۔ مگر خواجہ حیدر علی آتش آغا کے خیال سے اُتر گئے ان کے گھر رقعہ نہ گیا۔ جب بزم مشاعرہ آراستہ ہوئی اور سب شعراء جمع ہوئے آغا میر نے جائزہ لیا تو آتش نظر نہ پڑے اس نے پوچھا وہ کیوں نہیں آئے ایک شاگرد نے کہا استاد کے نام رقعہ نہیں پہونچا آغا بڑا شرمندہ ہوا اس وقت چوبدار معہ رقعہ عذر یہ و سواری ان کے گھر بھیجی خواجہ آتش نے شریک مشاعرہ ہونے سے معذوری کی چوبدار واپس آیا۔ معتمد الدولہ نے اپنے خاص مصاحبوں کو خواجہ آتش کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ اگر تم نہ آؤ گے اور زینت بخش محفل نہ ہو مشاعرہ نہیں ہوگا۔ لاچار خواجہ آئے محفل مشاعرہ میں اپنی جگہ بیٹھے۔ شمع کا دور ہوا غزلیں پڑھیں گئیں۔ جب ان کے سامنے آئی تو عذر کیا میں نے غزل نہیں لکھی۔ مگر

اس وقت ایک مطلع کہا ہے وہ نذر احباب کرتا ہوں۔ سب حاضرین مجلس نے کہا بسم اللہ بسم اللہ فرمائیے ہیں ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے | زمیں جسکی چہارم آسماں ہے

ہر طرف سے صدائے تحسین و آفریں بلند ہوئی ایک نو عمر صاحبزادہ خواجہ کے ہم زانو بیٹھے تھے۔ اس نے کہا حضرات میں نے بھی ایک مصرعہ موزوں کیا ہے اگر اجازت ہو تو سناؤں سب نے کہا ضرور ضرور کہتا ہے ؎

پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہوں | شرافت کیا بہارِ بے خزاں ہے

تمام حاضرین مجلس سے غلغلہ تحسین کا اٹھا۔ آغا میر نے دس ہزار روپیہ خواجہ حیدر علی آتش کو اور اتنا ہی اس لڑکے کو ایک شعر کے صلہ میں دیے۔ اس شہرت سے ایک شاعر جو لکھنؤ نئے وارد ہوئے تھے آغا میر کے لئے قصیدہ مدحیہ لیکر گئے سنایا کچھ صلہ نہ دیا دوبارا پھر قصیدہ بصد آب و تاب پڑھا پھر بھی دریا دلی کو کام نفرمایا۔ ایک دن ہجو کہکر لے گیا تب بھی آغا میر پی گئے آخر مجبور ہو کر آغا کی ڈیوڑھی پر بستر جما دیا۔ آغا جو جانے لگے دیکھا دھرنا دئے وہ شاعر پڑا ہے اس سے کہا کہ تو نے ہماری تعریف کی ہجو لکھی بھی تیرے لئے ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ اب یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ اس نے کہا اس لئے ٹھہرا ہوں تم مرو تو مرثیہ اور تمہاری شان میں لکھوں تو جاؤں۔ آغا میر بہت ہنسے اور کہا اگر میرے انتقال سے پہلے تو مرا اس نے جواب دیا کہ آپ سے گور و کفن کا خرچ جب بھی لیکر اٹھوں گا۔[1]

---

[1] نتائج المعانی صفحہ ۷۵

حکیم مومن خاں مومن دہلوی

ایک دن حضرت مومن بازار سے گذرے کسی مضمون شعر کی تلاش میں وارستہ مزاج ہو رہے تھے۔ کنور راجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے ان کے اس انداز سے متاثر ہوئے اور آدمی بھیجکر حکیم صاحب کو بلایا۔ آپ آ گئے اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ پوچھا خانصاحب اس وقت کس فکر میں جاتے تھے۔ معاف کرنا تکلیف دی۔ حکیم صاحب نے کہا کنور صاحب مجکو ایک غزل کو پورا کرنا تھا اس فکر میں اپنے کوچہ میں ٹہلتا تھا۔ بیخودی یہاں تک لے آئی اور آپ نے بلالیا۔ یہاں آگیا۔ کنور صاحب نے عرض کیا خانصاحب وہ غزل ہمیں بھی سنائیے ہم کیوں محروم رہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

اے آرزوئے قتل ذرا دلکو تھامنا
مشکل ہوا مرا مرے قاتل کو تھامنا

دکھلائیگی جلوہ نزاکت کہ ہر اونھیں
دشوار چاک پردۂ حائل کو تھامنا

سیماب وار مر گئے ضبط قلق سے ہم
کیا قہر ہے طبیعتِ مائل کو تھامنا

مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرم
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

یہ غزل سنکر کنور صاحب محظوظ ہوئے اور ایک فیل مع جل زربفت حکیم صاحب کی خدمت میں نذر دی۔ آپ بولے کنور صاحب میری استطاعت سے زیادہ ہے۔ مجکو نجومی جانکر یہ سیاہ دان دیکر میرے سر پر ایک کوہ سیاہ کا بوجھ رکھ دیا۔ اس کو بیچکر کہاں باندھوں اور کہاں

رگھوں چار اس کے لئے خدمت گار چاہئیں اور ہنی کے لئے خوراک کا فراہم کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ اس عنایت سے مجھے معاف رکھویں آشفتہ مزاج عشرت طلب ہوں جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا وہیں کا ہو گیا اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ اس پہاڑ کا بوجھ مجھ سے اٹھایا نہیں جائے گا یہ سنکر کنور صاحب بہت ہنسے اور ایک ہزار روپیہ اور دیکر کہا اسکو کھلائے پھر خدا مالک ہے[1] اس کے بدلہ میں حکیم صاحب نے کنور اجیت سنگھ کے لئے ایک قصیدہ کہکر ان کو بھیج دیا۔ اور اُن کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا قصیدہ کے آخری شعر یہ ہیں ؎

فیل نشیں بنا دیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب لاف و گزاف برتری

راجہ اجیت سنگھ نام کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام کار جہاں کی ابتری

مولانا آزاد دہلوی نے بھی یہ حکایت لکھی ہے ہزار کے بجائے حکیم صاحب پر ہتنی کسنے کے لئے سو روپیہ نذرانہ کے لکھے ہیں اور فرماتے ہیں۔ خانصاحب اس پر سوار ہو کر گھر آئے اور پہلے اس سے کہ ہتنی روپیہ کھائے۔ اسے بیچ کر فیصلہ کیا۔

---

[1] نتائج المعانی صفحہ ۷۰ از مرزا محمود بیگ راحت دہلوی مطبوعہ میڈیکل پریس آگرہ ۱۸۷۴ء

زلف

ایک دن میر انیس کے یہاں احباب کا مجمع تھا۔ شعر و شاعری کا ذکر چھڑا ذوق و مومن پر تبصرہ ہونے لگے۔ انیس دلی پر مٹے ہوئے تھے فخریہ کہا کرتے تھے ہماری زبان دلی کی زبان ہے ذوق کے ذکر پر کہتے ہیں وہ شاہی دربار کے شاعر ہیں مگر مومن اپنی طبیعت کے بادشاہ ہیں اور ان کا یہ شعر پڑھا ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی — بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

پڑھنے کے بعد ایک چپ سی لگ گئی جیسے کوئی حسین صورت سامنے ہے ہوا سے اس کی زلف اُڑ رہی ہے اور میر انیس اس کو دیکھ کر ادائے کلام کے مزے لے رہے ہیں۔

حکیم مومن خاں مومن

منشی ولایت علی انجنیر مراد آبادی دلّی میں کوچہ سعادت اللہ خاں میں رہتے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ حکیم مومن خاں مومن باوجود تبحر علمی اور فضیلت ذاتی اور تقدس ظاہری نظر تا عاشق مزاج اور حسن پرست واقع ہوئے تھے۔ طرح داری اور وضع داری ان کی اور وبال جان تھی امرا اور شرفا کی سی وضع داری نباہنے کے لئے ایک طوائف بھی رکھ چھوڑی تھی اس کو سامنے رکھ کر فکر سخن کیا کرتے ایک دن مریضہ کی ڈولی آئی خاتون نے نبض دکھانے کو ہاتھ بڑھایا حکیم صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا ادھر پردہ جو ہٹا خاتون کی نظر حکیم صاحب پر پڑی ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ خانصاحب کو علم بھی نہ ہوا نسخہ لکھ دیا۔ مگر وہ روزانہ آتی پر ان کی توجہ ہی نہ تھی آخر تنگ

اس نے کشتی درمیان میں ڈالی کہ متعہ سے نوازیں یہ ٹھہرے غیر مقلد صاف انکار کر بیٹھے اور کہا حضرت میری آئیں شرافت سے بعید ہے کہ میں شرفا کی بہو بیٹیوں کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھوں مجھے معاف کیا جائے۔ مگر اس کے چرچے بڑھ گئے احباب نے بھی اشارہ اشارہ میں ٹھکے مارے ایک دن حکیم صاحب نے گھبرا کر اپنی صفائی پیش کی ؎

مجھ پہ طوفاں اُٹھائے لوگوں نے
مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

وصل کی بات کب بن آتی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

غالب کا سا شعلہ زبان اور نازک مزاج سخن سنج حکیم مومن خاں کی تیز طبعی اور ذکاوت پر ایسا مفتون تھا کہ انکے بے وقت موت پر نہایت درد سے کہتا ہے ؎

شرط است کہ روئے دل خراشم ہمہ عمر
خونابہ بہ رخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر

کافر باشم اگر بہ مرگ مومن
چوں کعبہ سیہ پوش نہ باشم ہمہ عمر

دلی کی ادبی صحبت

حکیم مومن خاں مومن کے یہاں احباب کا مجمع تھا۔ مرزا غالب نواب شیفتہ۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ حکیم آغا جان عیش سے حضرات شریک صحبت تھے۔ قاضی نجم الدین برق سکندر آبادی بھی حکیم صاحب سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ناسخ لکھنوی کے کلام پر بحث تھی۔ میر تقی میر کا بھی ذکر آ گیا مرزا غالب فی البدیہہ فرماتے ہیں ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

عیش کہنے لگے استاد ناسخ نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

یوں نزاکت سے گراں سرمہ ہے چشم یار پر جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار پر

ہر ایک نے توجہ سے سنا اور داد دی۔ برق سکندر پوری نے دست بستہ عرض کی کہ حضرت ناسخ نے سرمہ چشم یار پر لکھ کر جدت کا ثبوت دیا ہے اور ہم سے نوا موزوں کے لئے اب تو سند ہو گئی اور اُدھر استادوں نے توثیق بھی کر دی حکیم صاحب بولے میاں برق خوب بات پیدا کی اور معقول گرفت ہے۔ برق کہنے لگے حضور اس طرح پر میں نے بھی کچھ عرض کیا ہے۔ بنظر اصلاح عرض کرتا ہوں ؎

بل پڑا غصہ میں انکے ابروئے خمدار پر اور ایک تلوار پیدا ہو گئی تلوار پر

مطلع عرض ہے ؎

طور پر اے برق وہ جلوہ موسیٰ کو ہوا دیکھتے ہیں ہم مدینہ کے در و دیوار پر

ذوق و غالب

حضرت ذوق اور مرزا غالب میں شاعرانہ چشمک تھی۔ ذوق کا قلعہ معلیٰ میں طوطی بول رہا تھا۔ بادشاہ کے استاد کیا تھے جگت استاد بنے ہوئے تھے۔ اکثر شہزادہ مرزا غالب سے مانوس تھے۔ مرزا بلانے پر قلعہ جایا کرتے حضرت ذوق کی کوشش رہتی تھی کہ مرزا اسد اللہ خان کا کہیں قلعہ میں پالانہ جم جائے تو اس کے ریختہ گوئی پر حرف گیری کیا کرتے خضر سلطان کو مرزا سے تلمذ تھا انھوں نے

قلعہ والوں کی باتیں جا لگائیں مرزا فرماتے ہیں ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است
راست می گویم من و از راست سر نتواں کشید — ہر چہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

واقعہ مرزا غالب

مولوی اکرام اللہ مرحوم فرماتے تھے۔ ایک دن تمام احباب مرزا صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ فارسی شعرا کا کلام پڑھا جا رہا تھا۔ ایک صاحب نے بابا فغانی کا یہ شعر پڑھا ؎

تا کہ دست قدر از دست تو بربود قلم — کاغذیں پیرہن از دست قدر بلہ مرا

ایک دوسرے صاحب نے کہا کمال اسمٰعیل نے بھی کاغذی پیرہن کو کاغذی جامہ لکھا ہے وہ کہتا ہے ؎

کاغذی جامہ بپوشید و بدرگاہ آمد — زادۂ خاطر من تا بدہی داد مرا

مرزا صاحب نے کچھ سکوت کیا اور فرمایا ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

تمام دوستوں نے اس شعر کی بے حد داد دی اور کہا حاضر جوابی اس کو کہتے ہیں[1]

لطیفہ

ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم اپنے بہنوئی خواجہ غلام غوث بیخبر کی زبانی بیان کرتے تھے۔ مفتی آزردہ مرزا غالب کے مکان کے سامنے سے گذرے مگر چونکہ

---

[1] تصویر الشعرا از مولوی اکرام اللہ گوپاموی

اس وقت جلدی میں تھے لہذا انھوں نے مرزا غالب کے پاس ٹھیرنا نہ چاہا کہاروں سے تاکید کی کہ جلد چلو وہ کندھا بدلنے لگے مگر آزردہ نے ان کو کندھا بدلنے نہ دیا غالب یہ حال غرفہ سے دیکھ رہے تھے فوراً یہ شعر لکھ کر مفتی صاحب کے پاس بھیجدیا ؂

پینس میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

آزردہ نے پڑھا اور معذرت کے لئے مرزا صاحب کے پاس خود آئے۔ عـ۱

نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب اکبرآبادی

مرزا غالب کو حکیم احسن اللہ خاں نے بادشاہ ابوظفر سے کہہ سنکر شاہان مغلیہ کی تاریخ لکھنے پر مقرر کرایا۔ پہلا حصہ مہر نیمروز ہے دیباچہ میں شاہ ظفر کے متعلق لکھتے ہیں ؂

شبلی از منبر دہد آوازِ عشق شاہِ ماہ بر تخت گوید رازِ عشق
شاہِ ما دارد بہم در رہروی خرقۂ پیری و تاجِ قیصری
شاہی و درویشی اینجا باہم است بادشاہِ عہد قطبِ عالم است

حضرت زند

ابوظفر بہادر شاہ اوراد و وظائف کے بڑے پابند تھے صبح قرآن مجید کا

عـ۱ تصویر الشعرا

پڑھنا لازمی تھا۔ چنانچہ رند کہتا ہے ؎

ناغہ ہو جائے ذکر کیا ہے   قرآن ابوظفر بہادر

حضرت شاہ ظفر

۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی چل بسے بہادر شاہ ظفر سر آرائے اورنگ سلطنت ہوئے۔ رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعۂ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے ۱۸۵۲ء میں دہلی کے ہندو مسلمانوں میں گاؤکشی کے معاملہ پر جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرنا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی و شمالی کو لکھ کر بھیجی اس کے جواب میں ادب و القاب ترک تھے صرف مائی ڈیر ظفر سے خط کا آغاز تھا اور "یورس سینسرلی" پر اس کی تان ٹوٹی ظفر جیسی ذہین حساس اور موقع شناس کے لئے یہ کاری ضرب تھی۔ چنانچہ اپنے ملال کا ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں ؎

اب جو لکھتا ہے وہ لکھتا ہے کو یہ لکھتا تھا کبھی
دیکھ لو اس بت بے پیر کا اگلا کاغذ

مرزا قویش کی ولی عہدی

۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو جو ولی عہد تھے ان کا انتقال ہو گیا۔ ولی عہدی کا قصہ

ظفر کی شاعری از مولوی حسن عبد اللہ ایم اے علیگ (مصنف جلد ۲ نمبر ۸)

پھر اٹھا بادشاہ نے شاہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطالبہ کیا اور ایک محضرنامہ پیش کیا جس پر ان کے آٹھوں بیٹوں خضر سلطان مرزا مغل وغیرہ کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا قویش سے جو بہادر شاہ کے بڑے بیٹے تھے یہ شرط منظور کرالی کہ بہادر شاہ کے بعد لقب شاہی موقوف کیا جائے گا صرف خطاب شاہزادہ باقی رہ جائے گا اور نذر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائے گا اور مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب یہ خبر بوڑھے بادشاہ کو ملی تو اس کے رنج و غم کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک نہایت دردناک نظم اس موقع پر ان کے دلی تاثرات کی ترجمانی کرتی ہے جس کا مطلع ہے [1]

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

فکر

ابوظفر بہادر شاہ کو مرغ بازی اور بٹیر بازی کا بھی شوق تھا۔ سبزوار کے مرغ پلے ہوئے تھے۔ بٹیروں کی خدمت کے لئے ایک شخص مقرر تھا۔ ایک بٹیر ابوظفر کا بڑا پیارا تھا۔ اس کو ہاتھ میں لیکر اکثر اسکی پائے مالی کیا کرتے بٹیروں کی

[1] ظفر کی شاعری از حسن عبداللہ مرحوم

تعریف میں ایک قطعہ بھی کہا ہے اُس کا ایک شعر ہے ؎

ایسے شاہین ہوئے ہیں مرے تیار
ماریں شاہین کو اڑا کر یہ جگر وار بٹیر

غالب اور بہادر شاہ

ایک دن مرزا صاحب بحالت ضرورت قلعہ معلیٰ گئے۔ اور ابو ظفر بہادر شاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے باتیں کر رہے تھے مگر دل کہیں اور تھا بادشاہ نے کہا مرزا کوئی غزل بھی کہی ہے۔ آپ نے فرمایا جی ہاں اور کہنے لگے

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

پوری غزل سنا کر مقطع پر درد لہجہ میں کہتے ہیں ؎

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

بادشاہ مسکرا دیئے اور کہا امان حکیم صاحب نے دو ایک مرتبہ ذکر کیا تھا پھر خیال نہ رکھا ناظر کو بلاؤ وہ حاضر ہوئے ان سے کہا مرزا صاحب کو جو ضرورت ہو دیدو مرزا صاحب سلام کر کے چلے آئے۔

تازہ نہال

مرزا غالب قلعہ معلیٰ میں جب جاتے حضرت سلطان آپ کی بڑی خاطر مدارات کرنا اور جہاں مرزا پہونچے اور اپنے والد ماجد بہادر شاہ سے جا کر کہا مرزا صاحب آئے ہیں۔ حضور بادشاہ سلامت جلد باریابی کا موقع عطا فرما دیتے ورنہ حضرت ذوق کے مقابلہ میں قلعہ میں کسی کی دال گلنے والی

نہ تھی ایک دن بادشاہ سے مرزا صاحب نے خضر سلطان کے لئے کہا۔

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

لطیفہ

مِنہُم وَمِنّا

صفیر بلگرامی نے جلوۂ خضر میں لکھا ہے۔

بندہ ۱۲۸۰ھ میں اپنے نانا صاحب عالم سجادہ نشین مارہرہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں حضرت غالب کا ذکر آیا نانا صاحب سے اور ان سے ایک خاص ربط تھا میں نے خواہش کی کہ

ایک عریضہ مع دو غزلوں کے ارسال خدمت ۱۲۸۲ھ میں حضرت غالب کی زیارت کا اشتیاق ہوا آرہ سے مارہرہ پہنچا اور وہاں سے اپنے منجھلے ماموں حضرت شاہ عالم کے ساتھ دہلی روانہ ہوا بلی ماروں کے محلہ میں حضرت غالب کے پاس پہنچا مجھکو پوچھا یہ کون ہیں۔ میرے ماموں نے کہا "صفیر" آپ کے شاگرد اتنے میں نشتر آئے اور دوسری باتیں چھڑ گئیں۔

ہم کو اور ماموں صاحب کو نواب ضیاء الدین خاں نشتر کے مکان میں قیام کی جگہ ملی جو جامع مسجد کے متصل تھا۔ ایک دن ہم اور ماموں صاحب اور چند دوسرے حضرات غالب کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اثنائے کلام میں ایک صاحب نے میرے مذہب کو دریافت کیا۔ غالب نے میرے

ماموں کی طرف اشارہ کرکے کہا مِنْھُم اور میری جانب اشارہ کر کے کہا مِنّا یعنی میرے ماموں کو کہا کہ سُنی ہیں اور مجھ کو کہا کہ ہم میں سے ہیں یعنی شیعہ ہیں'' ہر ایک اس لطیفہ پر مرزا صاحب کے پھڑک اُٹھا۔

شاہنشاہِ بزم

ابوظفر بہادر شاہ کو اُمورِ مملکت سے تو وظیفہ سرکار کمپنی نے بے نیاز ہی کر دیا تھا۔ دن دہاڑے شعر و شاعری کے سوا کوئی اور شغل ہی نہ تھا۔ حضرت ذوق کی اُستادی نے اِن کے فکرِ سخن میں چار چاند لگا دیے تھے بادشاہ کی دیکھا دیکھی شہزادہ بھی عیش و عشرت کے بعد شعر گوئی سے ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ہفتہ وار مشاعرہ بادشاہ کی طرف سے ہوا کرتا قلعہ معلّیٰ کے سلاطین زادہ اور شہزادہ اس کا خاص اہتمام کرتے اس میں عمائد شہر اور دلی کے اساتذہ بھی شریک ہوتے مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ مولٰنا امام بخش صہبائی۔ مرزا غالب اسی بزم کی طرف اشارہ کرتے ہیں

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

حضرت شاہ ظفر

حضرت ذوق کے انتقال کے بعد شاہ ظفر کو بڑا قلق تھا۔ کیونکہ ظفر کی شاعری کو ذوق کی اصلاح سے فروغ ہوا اس کا اعتراف خود ظفر انتہا عقیدت سے کرتے ہیں ؎

گیا لطفِ سخن تو ذوق ہی کے ساتھ دنیا سے
جو تھوڑا سا رہا ہے اب ظفر کچھ تو ہمیں تک ہے

بے ذوق ذرا لطف نہیں شعر و سخن میں
اس رمزِ نہانی کو کوئی پوچھے ظفر سے

فکر

حضرت ظفر نے اپنی زندگی کے تین ادوار کس خوبی سے لکھے ہیں ؎

پڑھتا ہوں ایک مطلع بمقطع ہے حسب حال — دیکھے تماشے میں نے جو ملک وجود کے
اک دن وہ تھا کہ ٹوٹے نہ تھے دانت دود کے — پھر یہ ہوا گزر نے لگی کھیل کود کے

اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس ہیں گفت و شنود کے

اوج دہلوی

عبد اللہ خاں اوج دہلوی مراقی تھے مرزا غالب، حکیم مومن خاں، ذوق، آزردہ بطور مزاح استاد سے خطاب کیا کرتے۔

دہلی میں شیریں جان ایک نامی طوائف تھی وہ حج کو جانے لگی اس پر کہتے ہیں ؎

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی
مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

حضرت امام بخش ناسخ لکھنوی

حضرت ناسخ لکھنوی پر نواب اودھ کی نگاہیں عتاب کی آئے دن پڑا کرتیں یہ لکھنؤ سے بھاگ کر الہ آباد آجاتے اور شاہ ابو المعالی کے یہاں دائرہ شاہ اجمل میں مہمان ہوا کرتے چند مرتبہ جو آئے طبیعت اکتا گئی فرماتے ہیں

ہر بحر کے دائرہ میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں؎۱

غالب و جلال

مرزا غالب رام پور گئے ہوئے تھے۔ حضرت جلال مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ شراب نوشی میں مصروف تھے ایک جام مئے ناب سے بھر کر جلال کے سامنے پیش کیا۔ اُنھوں نے کہا میں نہیں پیتا ہوں۔ مرزا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا آج تو ابر ہے۔ جلال نے کہا حضرت مجھے اس سے رغبت نہیں ہے۔ غالب بولے اجی حضرت ابر بھی ہے سردی بھی ہے۔ آخر جلال جھلا سے گئے اور کہنے لگے حضرت میں حرام جانتا ہوں اس پر مرزا مسکرائے اور کہنے لگے پھر یہ شعر آپ نے کیونکر کہا؂

رات مئے خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مولانا ظفر علی خاں سنہ ۱۹۳۴ء علی گڑھ آئے۔ حکیم عبداللہ خاں نصر کے یہاں عصرانہ پر مدعو ہوئے۔ چائے کا دور چلنے لگا فرمایا؂

؎۱ گل رعنا صفحہ ۳۵۱

چائے کا دور چلے دور چلے دور چلے
جو چلا ہے تو ابھی اور چلے اور چلے
گر نہ ہو چائے تو خوشاب جگر کافی ہے
بزم میں دور چلا ہے تو بہر طور چلے

ذکر:-

مجھے ناز علی گڑھ کے اس تعلق پر
مرا رفیق پرانہ شریف چشتی ہے
وہ ساتھ ہو تو مجھے اسکی کچھ نہیں پرواہ
کہ نکتہ چین مرا دیری اور گنستی ہے

حضرت ذوق دہلوی

میاں محبوب علی خاں خواجہ سرا شاہ ابوظفر کی سرکار میں مختار کل تھے اور دربار اور محل سرا کا اختیار رکھتے تھے مگر بڑے قمار باز - ایک بار ابوظفر بہادر شاہ کسی امر پر ان سے سخت ناخوش ہو گئے تو میاں صاحب نے افسردہ ہو کر حج کا ارادہ کر لیا۔ ذوق نے جب سُنا تو برجستہ مطلع پڑھا

جو دل قمار خانہ میں بُت سے لگا چکے
وہ کعبتیں چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے[1]

مفتی صدرالدین خاں آزردہ

مفتی صدرالدین خاں آزردہ جو علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے جن کی طباعی کی ہند سے عرب تک دھوم مچ گئی تھی - دلی میں سرکار کمپنی

---

[1] لطائف ظرائف از ڈاکٹر الہام اللہ گویا موئی ثم اکبرآبادی (قلمی) سو نہم

کی طرف سے صدر الصدور تھے۔ ابوظفر کی اجڑی ہوئی سرکار قدامت کے لحاظ سے اڑہائی روپیہ مہینہ مفتی صاحب کو ملا کرتا تھا۔ محبوب علی خاں خواجہ سرا نے مفتی صاحب کا وظیفہ بند کرادیا۔ مفتی صاحب نے بادشاہ کی سرکار میں استغاثہ دائر کرکے لمّے سے کہلوادیا۔ کسی نے کہا۔ حضرت خدا رکھے آپ تو صدر الصدور کا منصب کے لئے سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں تعجب ہے کہ آپ نے اڑہائی روپیہ کے لئے اس قدر کوشش فرمائی۔ مفتی صاحب نے فرمایا بھی کہنا تمہارا ہی ہیچ ہے۔ ابوظفر بادشاہ گو خود سرکار انگریز کی دی ہوئی روٹی کھاتے ہیں تاہم اگلی عظمت میری آنکھوں میں سما رہی ہے اور اس کا مجھے ادب ہے۔

نواب صدر یار جنگ بہادر

تا

حسرات شہوانی

۱۷ مئی ۱۹۴۶ء کو انتظام اللہ شہابی مولوی سیّد الطاف علی صاحب بریلوی ایڈیٹر مصنف علی گڑھ کے ہمراہ حبیب گنج گیا۔ نواب صدر یار جنگ بہادر ڈاکٹر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی متخلص حسرت سے شرف نیاز حاصل کیا کتب خانہ دیکھا علمی جواہرات کا خزانہ ہے۔ حضرت حسرت نے بے حد نوازا اور پائیں باغ کی جھیل قدیمی فرماتے ہوئے یہ شعر برجستہ کہا ؎

کرم کردند الطاف و شہابی منور شد ز نورِ شان روانم

نواب صدر یار جنگ بہادر کی بزرگانہ شفقت اور خلوص و محبت کا صحیح پتہ شعر مذکور سے معلوم ہوا۔ سیّد صاحب اور مجھ پر اس شعر کا کیف عرصہ تک رہا۔

شیخ علی حزیں

شیخ علی حزیں ابن شیخ ابو طالب گیلانی ١١٠٣ھ میں اصفہان میں پیدا ہوا اور ١١٨٠ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ مدمغ اور نازک طبع شاعر تھا۔ ایک دن شیخ علی حزیں کے پاس ان کا شاگرد آیا اور یہ شعر پڑھا ؎

دی شب بہ صحن گلشن از ناز خفتہ بودم — آواز پائے بلبل بیدار کرد مارا

حزیں نے شعر کو خود پڑھا اور غور کیا۔ اور اصلاح دی ؎

دی شب بہ صحن گلشن از ناز خفتہ بودم — پرواز رنگ گل ہا بیدار کرد مارا[1]

حضرت آزردہ دہلوی

مفتی صدر الدین خاں آزردہ غدر ١٨٥٧ء کے بعد دہلی سے پنجاب گئے اس موقعہ پر یہ غزل لکھی دو شعروں میں دلی کی حالت کا نقشہ بھی کھینچا ہے ڈاکٹر الہام اللہ گویا موئی کی بیاض سے یہ غزل نقل کی جاتی ہے ؎

ملا ساقیا مے خنک آب میں — کہ تھی نہیں تو یہ مہتاب میں
ان آنکھوں سے پنجاب ہفت آب ہے — بڑھے اور دو بحر پنجاب میں
گیا دیں گیا حضور نماز — وہ یاد آئے ابرو جو محراب میں
الٰہی فلک جس سے پھٹ جائے دے — وہ تاثیر آہ جگر تاب میں

---

[1] تصویر الشعرا حصہ دوم از مولوی اکرام اللہ گویا موئی ثم اکبرآبادی

نہ ہو آسماں پر دماغ ابر کا — جو ہمت ہو کچھ چشم پر آب میں
وہ عریاں ہیں سرما میں بھی جنکی شب — گزرتی سمور اور سنجاب میں
ملے کچھ تو زخم جگر کا مزا — بجھا کر رکھو تیغ زہر آب میں
خدایا ملا مصطفیٰ خاں سے پھر — وہی ایک باقی ہیں احباب میں
کہوں باغباں کیا تھا دل کا حال — کہ بس کر رہے گا نہ تو تاب میں
بلند آشیانوں پہ بجلی گری — جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

نہ آئے ہوں آزردہ لینا غضب
پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں

حکیم آغا جان عیش دہلوی

حکیم آغا جان عیش ابو ظفر بہادر شاہ کے کچھ عرصہ رہ چکے تھے اپنا سلسلہ تلمذ کس انداز سے ایک شعر میں ادا کرتے ہیں ؎

مجرم کا میں شاگرد وہ بیدار کے شاگرد
ہے عیش سلسلہ میرا یوں درد و اثر تک

حضرت زمان اکبر آبادی

مرزا احسام الدین بیگ رئیس برارا امارت کے ساتھ ذوق ادب رکھتے تھے۔ مرزا غالب سے گہرے تعلقات تھے ان کی نشست گاہ سبب بازار میں واقع ہے۔ مرزا مغل بیگ کی مسجد کے متصل یہ کمرہ آج موجود ہے

اردگرد ہوشوں کے اڈے مرزا صاحب کبھی دلی سے آتے اس کمرہ پر قیام پذیر ہوتے۔ مرزا حسام الدین بیگ کے یہاں روزانہ احباب جمع ہوتے دو جگہ ارباب شعر و سخن کی نشست رہا کرتی۔ ایک مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کے یہاں دوسرا مرزا صاحب کے کمرہ پر۔ ایک دن زمان خاں رسالدار یہاں آنکلے پہلے سے مرزا فدا علی بیٹھے ہوئے تھے اور یار دوستوں پر حرف گیری کر رہے تھے۔ زمان سے نہ رہا گیا جنکی برائی تھی وہ ان کے بھی ملنے والے تھے کہتے ہیں ؎

اپنا مشرب ہے ثنا خوانی احباب نہاں
اپنے لعنت ہے جو یاروں کو برا کہتے ہیں

ادبی صحبت

رام پور میں نواب کلب علی خاں کے زمانہ میں اہل علم کا جمگھٹا تھا۔ شمس العلما مولوی عبد الحق خیر آبادی مولانا ارشاد حسین رامپوری۔ منیر شکوہ آبادی حضرت جلال لکھنوی حضرت داغ دہلوی سے حضرات دربار سے منسلک تھے۔

نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا یا ادبی صحبت تھی مصرعہ طرح پر داغ نے یہ مطلع پڑھا ؎

یہ تیری چشم فسونگر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

اہل مجلس نے خوب داد دی مگر حضرت جلال خاموش سے تھے۔ جب ان کی

باری آئی تو کہتے ہیں ؎

دل مرا آنکھ تری دونوں ہیں بیمار مگر
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

تمام مجلس پھڑک گئی اور داغ نے بھی دل کھول کے داد دی سفرایش پر دوسری غزل جلال نے اور پڑھی اس کے ایک ذیل کے شعر پر ؎

حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا راز
آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو

شمس العلما عبدالحق کو وجد سا آگیا اور جھوم نے لگے بار بار پڑھنے کی فرمایش کرتے تھے۔

ادبی صحبت

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے یہاں ایک ادبی صحبت تھی حکیم مومن خاں مومن مفتی صدر الدین خاں آزردہ اور حضرت صہبائی مرزا غالب وغیرہ جمع تھے۔ مرزا محمد صفر علی خاں نسیم بھی آگئے یہ حکیم صاحب کے چہیتے شاگرد تھے اور بڑے منہ لگے ہوئے۔ زبان اردو پر گفتگو تھی۔ نسیم کہتے ہیں ؎

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے فرمایا۔ میاں نسیم عرصہ سے کچھ سناؤ۔ نسیم نے معذرت کی مگر حکیم صاحب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہتے ہیں ؎

بیخبر ہے انجمن بیہوش ہیں جانانہ آج
خوب چکر دے رہی ہے گردشِ پیمانہ آج
دید کے قابل نہیں ہے محفلِ رندانہ آج
دخترِ رز کو لئے ہے گود میں پیمانہ آج

محتسب نے آکے محفل کو نمازی کر دیا
جھک گئے خم گر پڑا سجدے میں سر پیمانہ آج

جام کیسا خم کے خم خالی نہ کر دیں تو سہی
دیکھ لے ساقی کمالِ ہمت مستانہ آج

کیا ادب ہی محفلِ رندانِ ساغر نوش کا
کرتی ہی موجِ حیا بھی لغزشِ مستانہ آج

ہی ہجومِ کیف مستی لڑکھڑاتے ہیں قدم
لیجیے دیکھیں کدھر کو لغزشِ مستانہ آج

شمع بالیں کی تمنا ہی نہ پروائے چراغ
بیکسی دکھلا رہی ہو ہمت مردانہ آج

ہاتھ میں ساغر بغل میں شیشہ سر پر ہو سبو
کیجیے پیر مغاں کی خدمتیں مستانہ آج

جوشِ مستی پانوں کس کس کے نہ ڈالے گا نسیم
گردشیں کیا کیا نہ دیگی گردشِ پیمانہ آج

ہر ایک نے تعریف کی مرزا غالب نے فرمایا کیوں نہیں حکیم صاحب کے منظورِ نظر
اور ان کا رنگ غزل میں صاف جھلک رہا ہے فی البدیہہ نسیم کہتے ہیں ؎

مومن کا طرز چھوٹ نہ سکے گا نسیم سے
شاگرد سے نہ بندش استاد جائیگی

نواب زینت محل

ابو ظفر بہادر شاہ کی چہیتی بیگم زینت محل تھی اپنے وقت کی یہ نوجہاں
کہی جاتی ہے۔ زینت محل چھپر کھٹ پر آرام کر رہی تھیں۔ آنچل دوپٹہ منہ پر پڑا ہوا
تھا۔ بہادر شاہ نماز فجر پڑھ کر وظائف سے فارغ ہو کر چھپر کھٹ کی طرف سے
گذرے بے ساختہ زبان سے نکلا ؎

دیکھنا آنچل دوپٹہ منہ پہ اُس کے وقت خواب

یہی مصرعہ کہتے ہوئے دربار میں برآمد ہوئے۔ خاقانی ہند حضرت ذوقؔ پہلے سے تشریف رکھتے تھے ان کو بھی مصرعہ سنایا فی البدیہہ فرماتے ہیں ؎

برنخ آبی میں ہے ؏ یا مہر روشن آب میں

ابوظفر بے حد خوش ہوئے اور دربار سے اٹھ کر محل میں گئے۔ بیگم بیدار ہو چکی تھیں پورا شعر زینت محل کو سنایا اور واقعہ بیان کیا اور خلعت فاخرہ استاد کے لئے بھیجا۔

عرشؔ لکھنوی

میر کلو عرشؔ اُن کے والد میر تقی میرؔ نے کوئی بڑا سرمایہ چھوڑا نہ تھا مگر عرشؔ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ گھر میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتے۔ مگر باہر نکلتے جسم پر لباس فاخرہ ہوتا باتیں کرتے بددماغی سے ایک دن نکہتؔ ملنے آئے انھوں نے اندرونی حالت کا جائزہ لے لیا۔ میر عرشؔ سے کہنے لگے میر صاحب رنگینؔ نے کہا ہے ؎

اب اسکی حقیقت یہ ہے رنگینؔ کے بقول
بخت اُڑ گئے اور ہے بلندی باقی

مگر بندہ نے بھی اسی مضمون کو اس طرح باندھا ہے ؎

دیکھ کر اوج یہ کہتے ہیں یہ اغیار کو ہم
بخت تو اُڑ گئے لیکن ہے بلندی باقی

عرشؔ نے سنکر داد دی اور مسکرا دئے اور کہا حکیم مومن خاں مومنؔ نے کیا

خوب کہا ہے ؎

کیا شکوہ جفائے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

مولوی سید مدد علی تپش

حضرت تپش مرزا صاحب کے شاگرد تھے ۔ مراسلت سے شاگرد ہوئے تھے ۔ دہلی مرزا صاحب سے ملنے آئے گھبراہٹ میں دیوان کا صاف شدہ مسودہ بھول آئے ۔ ایک دوسرا مجموعہ تھا وہ ہمراہ چلا آیا ۔ مرزا صاحب سے اپنے دیوان کا ذکر کیا اور اس مجموعہ کو ملاحظے سے گذارا اس میں بہت تھوڑا کلام ان کا تھا ۔ باقی دوسروں کا کلام تھا پوری پوری غزلیں کبھی نہ تھیں مرزا صاحب نے دیکھ کر کہا ؎

ڈیڑھ جزو پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غالب
غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

تپش صاحب نے اس مجموعہ کو واپس لیکر دیکھا تو دیوان نہ تھا ۔ دوسرا نسخہ تھا جلد ایک سی بنی تھی اس سے دھوکہ ہوا ۔ مرزا صاحب سے بیحد معذرت کی اور دوبارہ وہ دیوان لیجا کر دکھایا اور اصلاح لی یہ دیوان ان کے پوتے منشی عبدالحمید تاج محلی کے یہاں بطور تبرک محفوظ ہے ۔

مرزا فخرو

ایک دفعہ ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح

کی درگاہ میں تھے۔ اور اُن کے ولی عہد مرزا فخرالدین بہادر بھی ہمراہ تھے۔ ایک روز اُستاد ذوق اور ولی عہد بہادر حوض شمسی پر کھڑے تھے۔ ولی عہد کو شعر و سخن کا شوق تھا اور اُستاد ذوق کے وہ بھی شاگرد تھے۔ اس وقت ولی عہد نے ایک مصرعہ کہا ؎

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تالاب پر

اُستاد سے کہا دوسرا مصرعہ آپ کہئے۔ ذوق برجستہ کہتے ہیں ؎

تاب عکس رُخ سے پانی پھیر دے مہتاب پر

علامہ کیفی

نواب سر مزمل اللہ خاں جہاں ان میں امارت تھی وہاں علمی ذوق و شوق بھی رکھتے تھے۔ فارسی استعداد معقول تھی گاہے اس میں فکر سخن بھی کر لیتے نواب صاحب عموماً شام کو اپنی کوٹھی سے نکل کر سوسائٹی کے گارڈن میں چہل قدمی کے لئے آجاتے وہیں مولوی مقتدیٰ خاں شروانی، مولانا اسلم جیراجپوری، علامہ کیفی چریا کوٹی آ جمع ہوتے۔ علامہ کیفی کی قدر و منزلت بہت زیادہ کرتے تھے یہ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے اس زمانہ میں علامہ انسٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر تھے۔ نواب صاحب کہتے ہیں ؎

کیفی کز کیف سخن آگاہ بود | شاعر ہمہ اختر اند و او ماہ بود
بے مشعل ماہ علم در ظلمت جہل | ہر کس کہ بُرد راہ گمراہ بود

حکیم آغا خاں عیش علامہ عبداللہ خاں علوی، مشاعرہ میں فارسی، اُردو میں

طرح پر غزلیں پڑھی جاتیں۔ استاد ذوق کی طوطی بولتی مرزا صاحب نے مشاعرہ میں غزل پڑھی مطلع میں فرماتے ہیں ؎

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

تمام حاضرین نے داد دی۔ بادشاہ بھی نہال ہو گئے۔ اور تمام شعرا بھی محظوظ ہوئے مرزا غالب کے ایک بھائی تھے۔ مرزا یوسف علی خاں وہ دیوانہ ہو گئے تھے۔ گلی کوچہ میں سر برہنہ پھرا کرتے نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پہننے کا وہ بیمار ہو گئے کچھ عرصہ علیل رہ کر اچھے ہو گئے۔ جنون پن بھی جاتا رہا۔ اس پر مرزا نے ایک غزل کے مقطع میں اظہار کیا ہے ؎

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

مرزا داغ دہلوی کی بذلہ سنجی

فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اجمیر شریف سے رخصت ہونے لگے تو آپ کے احباب کو بہت رنج ہوا۔ نواب عبد اللہ خاں مطلب نے کہا استاد آپ تو جاتے ہیں کچھ نشانی دیئے جایئے تاکہ اسے دیکھ کر آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ مرزا داغ فوراً فرماتے ہیں کہ

داغ کیا کم ہے نشانی کا یہی یاد رہے

مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبر آبادی

مرزا حاتم علی بیگ مہر اپنے زمانہ میں ملک الشعرا تھے۔ ناسخ کے شاگرد تھے لکھنؤ کے رہنے والے آگرہ آ گئے تھے۔ صدر نظامت میں وکالت کا شغل اختیار کر رکھا تھا، طرح داری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کی ہم عصر آگرہ میں ایک نامی طوائف بھی تھی درگا بائی نام تخلص صنم تھا اور حسن و جمال میں یکتا تھی۔ مرزا صاحب بھی اس پر مٹے ہوئے تھے۔ مرزا کے یہاں ایک مشاعرہ منعقد ہوا صنم بھی شریک محفل ہوئی مرزا بولے بائی کیسا مزاج ہے اور کیسے گذرتی ہے صنم بولی ؎

غم ہجراں ہے کافی زندگی کو
یہی مونس مرا اور میں ہوں

مرزا مہر اکھڑی اکھڑی باتیں سنکر کہنے لگے ؎

ذرا آنے تو دے روز قیامت
صنم تو ہے خدا ہے اور میں ہوں

صنم ہنس دی اور مرزا کے پہلو میں آ بیٹھی۔

مرزا مہر کے والد مرزا فیض علی بیگ بن رکن الدولہ مرزا امراؤ علی خاں اصفہانی بادشاہ کے مصاحب تھے۔

مہر امیرانہ زندگی کے آدمی تھے۔ شطرنج کا شوق بہت تھا۔ انعام اللہ ساحر گوپاموی کے یہاں صحبت احباب رہتی شعرا کا جمگھٹا لگتا ایک طرف شعر خوانی ہے دوسری طرف گنجفہ ایک جانب شطرنج بچھی ہے، مرزا مہر آئے اور صنم بھی آموجود ہوئی۔ ہر دو نے بساط بچھائی اور جٹ گئے گھنٹوں کھیلا کئے۔

مہر فرماتے ہیں ؎

شطرنج میں بھی اگر کھیل جائے تو اچھا
اے مہر یہ چال ابھی چل جائے تو اچھا

پھر ایک موقعہ پر فرماتے ہیں ؎

ہم پیار کی نظروں سے اُدھر دیکھ رہے ہیں
وہ قہر کی آنکھوں سے اِدھر دیکھ رہے ہیں
کیوں ہمکو وہ بھر بھر کے نظر دیکھ رہے ہیں
دل تاک رہے ہیں کہ جگر دیکھ رہے ہیں

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی

مولانا عبدالرؤف صاحب کہتے تھے۔ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مولانا محمد اسمٰعیل شہید۔ اور مولانا شاہ اسحاق کی نسبت اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

برائے رہبری قوم فساق
دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحٰق

جناب آشوب دہلوی

رائے بہادر پیارے لال آشوب مرزا غالب کے چہیتے شاگرد تھے۔ جب دہلی یہ آتے تو ہفتہ میں ایک بار مرزا صاحب کے پاس ضرور حاضری دیتے۔ جب دیر ہو جاتی تو مرزا غالب یہ شعر ان کو لکھ بھیجتے ؎

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے
یا فقط رستہ ہمیں بتلاؤ گے

آشوب کا ایک شعر ملاحظہ طلب ہے ؎

زاہد چھٹے جو دامن رنداں بادہ کش
تو چاہیے کہ مے سے اسے شست و شو کریں

جناب مشتاق دہلوی

ایک دن کہیں مشاعرہ تھا بڑا اژدہام تھا۔ مرزا غالب بھی شریک تھے لیکن جگہ بیٹھنے کی نہ تھی۔ بہاری لال مشتاق بھی مشاعرہ میں آئے تو انھوں نے یہ رنگ دیکھ کر صاحب مشاعرہ سے اپنے لئے انتظام مشاعرہ کی خدمت لے لی چنانچہ خاصدان لیکر شعرا کے سامنے تواضع کے لئے پہنچ گئے۔ مرزا صاحب نے کہا مشتاق یہ لطیفہ کیا ہے۔ برجستہ کہتے ہیں ؎

غیروں نے بیٹھنے نہ دیا جب کہیں مجھے | میں انجمن میں انجمن منتظم ہوا

نواب علی بہادر خاں والی باندہ

نواب علی بہادر خاں شاعر تھے۔ شعرا اُن کی صحبت میں رہتے۔ منشی منیر شکوہ آبادی ان کے دربار سے منسلک تھے۔ ایک دن نواب صاحب ان کے گھر آئے اور باغ کی سیر کے لئے لے گئے ایک قطعہ کہہ کر پیش کیا ؎

صبح آئے حضور میرے پاس | تھا رحق کا ہوا فلک سے نزول
لے گئے اپنے ساتھ بگھی پر | ہو گیا مطلب عظیم حصول
پھر ہوا کھانے میں ہوئے مصروف | جس طرح تھا ہمیشہ کا معمول
پھر کے کھائی گلاب باغ کی سیر | گل جنت سے سوا ہر پھول
گل تازہ دیا منیر مجھے | ہو گئی باغ باغ جان ملول
میں نے برجستہ یہ کہی تاریخ | گل خورشید ہوا مجھی پھول

۱۲۶۷

منیر شکوہ آبادی

حضرت منیر شکوہ آبادی ایک مشاعرہ میں کلکتہ گئے راہ میں فکر سخن جاری
کہتے ہیں ؎

کلکتہ کو میں ڈاک میں جاتا ہوں اے منیر
فکر غزل ہے راہ میں کیا خوب بات ہے

منیر شکوہ آبادی

نواب تجمل حسین خاں والی فرخ آباد کے یہاں منیر شعرائے دربار کے زمرہ
میں داخل تھے نواب سے اجازت لیکر لکھنؤ روانہ ہوئے کہتے ہیں ؎

منیر لکھنؤ میں چل کے دیکھو قیصر باغ
ہوائے گلشن جنت اگر دماغ میں ہے

احمد خاں صوفی اکبرآبادی

مولانا غلام شہید گوالیار گئے۔ ان کے ہمراہ مولوی احمد خاں صوفی بھی تھے
صوفی صاحب شہید کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ گوالیار میں صاحب خاں حاکم خزانہ
کے یہاں مقیم ہوئے ان کے فرزند محمد رمضان خاں ہر دو حضرت شہید کے مرید
تھے۔ صوفی صاحب کو سلسلہ ملازمت میں لگالیا۔ جیاجی راؤ سندھیہ کا زمانہ تھا
باپ بیٹے بڑے مخیر اور اپنے وقت کے حاتم زماں تھے۔ ان کی فرمائش پر

چار ہزار اشعار کی ۱۲۷۲ھ میں مثنوی بلقیس و سلیمان لکھی تعریف میں فرماتے ہیں؎

بے مثل پدر و پسر ہیں دونوں
بخشندۂ سیم و زر ہیں دونوں

اک نخل کرم کے دو ثمر ہیں
کونین میں دونوں سیم بر ہیں

اک باغ جہاں میں دو ہی گل ہیں
آگاہِ رموز جز و کل ہیں

بخشش میں ہیں دونوں بحر و قلزم
ہے فیض سے خوش ہر ایک مردم

ہیں جود و کرم کے دونوں بانی
دیکھا نہیں کوئی ان کا ثانی

یہ دونوں ہیں آفتاب و مہتاب
ہیں ذلق بیان اور ذوالالباب

قاضی باسط علی خاں اکبرآبادی

مولوی انعام اللہ خاں مرحوم گلی حکیمان آگرہ میں رہتے تھے۔ ان کے محلسرا کے سامنے مرزا الف بیگ بھی رہتے تھے اور متصل مکان قاضی سید باسط علیخاں قاضی شہر کا تھا۔ مرزا پیدائشی بے ریش و مونچھ تھے۔ کلکٹری میں ملازم تھے۔ شام کو اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے سامنے مونڈھے ڈال دیئے محلہ کے شرفا جمع ہو گئے خوش گپیاں رہتیں مرزا بابر کا امام باڑہ بارش سے گر گیا۔ امامی خاں عطار اس کی تعمیر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اصحاب خیر سے چندہ کی اپیل کی مرزا پاس آئے انھوں نے اپنے صرفہ سے امام باڑہ بنوا دیا۔ قاضی باسط علی خاں باسط کو خبر لگی فرماتے ہیں؎

بے ڈاڑھی مونچھوں والے نے بابر کی کی مدد
مردوں میں سکہ پڑ گیا خوجوں کے نام کا

شاہِ اکبر داناپوری

مولانا شاہ محمد اکبر داناپوری اپنے عہد کے مشائخین کرام میں ایک درجہ رکھتے تھے علمی ذوق تھا کثیر التعداد کتابوں کے مصنف شعر گوئی سے بھی شوق تھا اپنے وقت کے استاد تھے مولوی احمد خاں صوفی سے تعلقات تھے قطعہ العبرت میں فرماتے ہیں ؎

آگرے میں بھی تھے مرے اک شفیق — صوفی احمد خاں کریم و مقتدا
اپنے کنبے کے وہ رب النوع تھے — ہاتھ ان کا تھا کہ تھا ابر عطا[1]

صوفی اکبرآبادی

مولوی احمد خاں صوفی صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے مرض الموت میں مبتلا ہوئے جس دن شام کو انتقال ہونے کو تھا صبح آگرہ کے حکیم حاذق سید معصوم علی قادری ان کو دیکھنے آئے نبض پر ہاتھ رکھ کر سمجھ گئے اب زندگی کی آخری سانسیں ہیں فرماتے ہیں ؎

دمبدم دم را غنیمت دان و ہمدم شو بدم

صوفی صاحب مطلب کو پہنچ گئے اور فوراً جواب دیا ؎

واقفِ دم باش و دم را دمبدم بیجا مدم[2]

---

[1] دیوان اکبر صفحہ ۶۶ [2] نقد و نظر از پروفیسر حامد حسن قادری بدایونی

حضرت زمان اکبرآبادی

اسلام اللہ صوفی اکبرآبادی یہ مرزا اتور علی بیگ کی زبانی بیان کرتے تھے
ان کے والد مرزا کرامت علی خاں کمسریٹ میں ملازم تھے۔ کافی سرمایہ جمع کرکے
گھر لوٹے آگرہ میں ان دنوں عرسوں کی گرم بازاری تھی یہ حضرت مولٰنا
مظفر علی شاہ کے مرید بھی تھے۔ مشائخین کے حلقہ میں شامل ہونے کے لیے اپنے
والد کا عرس کرنا چاہا اعلان عام کیا مطبوعہ دعوت نامہ عمائد شہر کو بھیجے گئے
رسالدار زماں خاں زماں کو بھی دعوت نامہ گیا انھوں نے پڑھکر اس کی
پشت پر لکھ کر صاحب کو بھیجا ؎

کرامت خاں کرامت ہا چہ ہا کرد ۔ بزور زر پدر را اولیا کرد

عرس میں جو پہنچ رہا تھا یہ شعر وردزبان تھا مرزا صاحب نے پھر دوسرے سال
کے لیے کان پکڑ لئے پھر عرس نہ کریں گے۔

خواجہ بنجر الہ آبادی

منشی خواجہ غلام غوث بیخبر خاں بہادر ذوالقدر کا دربار الہ آباد میں
امرائے ہند کا آخری دربار تھا۔ الہ آباد کے بڑے بڑے عمائد علما شعرا شام
کو خواجہ بیخبر کے یہاں شریک ہونا اپنے لئے عزت و افتخار کا باعث سمجھا کرتے
تھے جس حویلی میں رہتے تھے وہ بڑی شاندار تھی صحن بہت وسیع مرزا اللہ عسکری
لکھنوی ادبی خطوط غالب میں ایک جگہ خواجہ صاحب کے دربار کا نقشہ

اس طرح کھینچ تے ہیں۔ تختوں کا چوکہ بچھا ہوا دری کا فرش اس پرچھپی چاندنی جو پٹیوں سے کسی ہوئی اس پر رومی قالینوں کا حاشیہ ایک سمت قالین پر سرخ ادنچہ بچھا ہوا اس پر خواجہ صاحب بیٹھے۔ مولوی امیر الدین آنریری مجسٹریٹ مولوی وہاج الدین خاں بہادر احمد حسین ڈپٹی شاہ اجمل کے دائرہ کے بعض حضرات شعرا میں مشرف خاں شرف ظریف طبع تھے ان کی مجلس میں زیادہ پرسش تھی۔ ایک دن خواجہ صاحب سرخ مخمل کی کمری پہنے اور سرخ ہی چوگوشیہ زریں کام کی ٹوپی فرق مبارک پر رکھے ہوئے ادنچہ پر بیٹھے ہوئے تھے ظریف نے پہلو میں جو احباب تھے ان سے کہا ؎

قدمچہ میں بیٹھا ہے ایک لال بیگ

خواجہ صاحب نے بھی سن لیا مسکرا دیے۔ اُن سے غزل پڑھنے کی فرمائش کی کہتے ہیں ؎

منکر نکیر ہنس پڑے میں نے جو یہ کہا | دوڑو پولیس چور گھسے ہیں مزار میں
قاصد سمجھ کے یار کا منکر نکیر کو | خوب ہی لپٹ لپٹ کے میں رویا مزار میں

لطیفہ مشرف الہ آبادی

شاہزادوں میں سے ولی بخت انسپکٹر اسکول الہ آباد میں تھے ان سے نواب بچھین طوائف سے تعلق تھا۔ مشرف صاحب سے ان سے بڑا یارانہ تھا کہتے ہیں ؎

شریف قوم ہوں نام بھی مشرف ہے | حسب نسب سے میں واقف بچھین تک

خواجہ بیخبر اور صنم اکبرآبادی

مفتی انعام اللہ صاحب کے یہاں ایک ادبی صحبت تھی۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر۔ راجہ بلوان سنگھ، مرزا غالب۔ خواجہ بیخبر وغیرہ شریک تھے اور درگا بائی صنم بھی شریک ہوئی۔ صنم کا آگرہ میں دور دورہ تھا بیخبر سے مراسم تھے، مگر اس کی ہرجائی پنے سے کھنچ سی گئی تھی۔ مگر دونوں میں ہر دو کے ملنے کی آرزو تھی۔ مگر اپنی اپنی جگہ کھنچے ہوئے تھے۔

اس صحبت میں ہر ایک نے اپنا کلام سُنایا صنم نے بھی آپ بیتی کہہ سنائی

کچھ دوائے دل و جگر نہ ہوئی — مر گئے ہم انھیں خبر نہ ہوئی
اپنی صورت مٹا ہی دی ہم نے — اُن کی اس پر بھی کچھ نظر نہ ہوئی
دل پہ تاثیر کر گئی ان کے — شکر ہے آہ بے اثر نہ ہوئی
دل و جان ہجر میں گئے ایسے — ایک کو ایک کی خبر نہ ہوئی

رہیں اب دیر ہی میں چل کے صنم
اپنی کعبہ میں تو بسر نہ ہوئی

خواجہ غلام غوث بیخبر خان بہادر ذوالقدر سنتے رہے۔ جب انکی باری آئی فارسی کے کہنے والے تھے گاہے گاہے اردو میں بھی فکر سخن کر لیا کرتے فی البدیہہ کہتے ہیں ؎

کیونکر خبر کرینگے کسی بے خبر سے ہم — زخمی ہوئے ہیں آپ کی تیر نظر سے ہم
دونوں کی رنجشیں ہیں برابر بڑھی ہوئی — ہم سے خفا وہ شوخ ہوا اس فتنہ گر سے ہم

دل توڑ مت کسی کا خدا کا ہے گھر صنم
لائق ہے اس طرح کا مکاں پھر کدھر سے ہم

ہر دو میں سلسلہ کلام شروع ہو گیا بچھڑے دل مل گئے صحبت احباب ختم ہوئی۔

سفلی اکبر آبادی

آگرہ میں چند پڑھی لکھی طوائفوں کا دور دورہ تھا۔ ان میں سے اکثر شعر گوئی سے شوق رکھتیں۔ صنم کو تلمذ مہر سے تھا۔ چھمی کو مشورہ سخن سفلی دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ؎

ان دنوں چھمی سے صحبت ہے　　آج کل اپنے پاس دولت ہے

چھمی پر دوست محمد متخلص دوست اکبر آبادی مٹے ہوئے تھے۔ ایک دن اس سے کہنے لگے ؎

تمہیں غیر سے تھی اُلفت تو کی مجھ سے کیوں محبت
یا اسی پہ لطف ہوتا یا مجھی پہ پیار ہوتا

حضرت آغا اکبر آبادی

مرزا حاتم علی بیگ مہر کے یہاں مشاعرہ تھا آغا مرزا آغا حسین بھی شریک تھے مرزا صاحب طرح دار تھے اور خوش مزاج ان کی گفتگو میں بذلہ سنجی تھی ان کے سامنے درگا بائی اور کالی خانم آگرہ کی مشہور طوائفیں تھیں ہر دو کی نگاہیں آغا پر پڑ رہی تھیں اور یہ بھی اسی طرف متوجہ تھے۔ مرزا مہر صنم پر ریجھے

ہوئے تھے ان سے نہ رہا گیا۔ آغا صاحب سے کہا مرزا صاحب آج تو آپ کی نگاہیں شوخی پر ہیں یہ مسکرا دیئے اور فی البدیہہ کہا ؎

کبھی ہنس کر ذرا بولے کبھی پیش آئے گالی سے خدا محفوظ رکھے اس مزاج لاابالی سے
برہمن پوجتے ہیں بت کو ہیں مرد مسلماں ہم نہ ہو گا سے غرض مجھکو نہ کچھ مطلب ہے کالی سے

مرزا مہر آخر عمر میں اٹاوہ اپنے صاحبزادہ کے پاس چلے گئے۔ ایسے گئے پھر آگرہ نہ لوٹے ان کے بعد سے مشاعروں کا سلسلہ ہی کم ہو گیا سفلی کہتے ہیں

جب مہر دلفروز عنایت نہیں یہاں تو آگرہ بھی مطلع انوار ہی نہیں

مرزا مہر کے یہاں مشاعرہ تھا۔ کالیخاں سفلی بھی وقت پر آئے مگر چہرہ اداس تھا۔ مرزا تاڑ گئے عرائض نویسی میں کچھ ہاتھ نہیں لگا ہے۔ خالی آئے ہیں بپاس وضع داری شامل ہونا ضرور۔ مہر نے خادم سے قلمدان طلب کیا کچھ نقدی نکال کر ہتھیلی پر رکھ کے بطور نذر پیش کی سفلی کو یہ طرز بُرا لگا کہتے ہیں ؎

سفلہ نے رکھ کے کف پہ اگر زر دیا تو کیا اہل کرم کی چلتی ہے مٹھی بندھی ہوئی

سفلی زندہ دل شاعر تھے ان کو بھی مرزا قتیل کی سی لت لگ گئی تھی۔ کوئی فرقہ اہلِ نشاط سے ہو اس سے یاری ضرور گانٹھ لیتے تھے وہ بھی ان کی قدر کرتیں۔ ان کے یہاں کسی تقریب کا جلسہ تھا ان کو بھی دعوت دی گئی کہتے ہیں ؎

شہزادی۔ رمنی۔ بستی۔ گھسیٹی گئی ہیں سب
جلسہ یہ چل کے دیکھئے کس گرہ فر کا ہے

سفلی اکبر آبادی

مہاراجہ بلوان سنگھ کاشی علم دوست شعرا نواز تھے۔ ان کے یہاں مشاعرہ ماہوار بڑے پیمانہ پر ہوا کرتا۔ آگرہ کے مشہور بذلہ سنج لطیفہ گو حضرت سفلی بھی شریک مشاعرہ ہوئے۔ عمائد شہر کے سامنے راجہ صاحب نے بلورین حقے بھی رکھوا دئے اور آپ خود شنک پی رہے تھے راجہ صاحب کا میانہ قد موٹے تازے رنگ گورا چٹا۔ چہرہ پر گھنی داڑھی۔ مونچھ دراز۔ گول چہرہ سفید لباس۔ دھوتی اس پر اچکن دوپلڑی ٹوپی پہنے ہوئے۔ سفلی نے محفل میں یہ رنگ جو دیکھا تو کہتے ہیں ؎

دور سے تودہ بلور نظر آتا ہے

راجہ صاحب نے مصرعہ سنا اور حقہ کا شنک منہ میں لے کے ایک کش لیا اس پر دوسرا مصرعہ بھی سفلی نے کہا ؎

دم چباتا ہوا لنگور نظر آتا ہے

تمام محفل کھل کھلا کر ہنس پڑی راجہ صاحب بھی مسکرا دئے۔ بعد ختم مشاعرہ ایک شال مجلسرا سے طلب کی اور سفلی کو اڑھائی سلام کرکے فرماتے ہیں ؎

قایم رہے یہ راجہ کاشی کی سلطنت
یہ ایک طلسم گاہ ہے دربار ہی نہیں

فکر

آگرہ میں ایک محلہ ہے جس کا نام خوجہ کی حویلی ہے سفلی کے گھر سے دومت

شیخ مصلح الدین جو صدر میں رہا کرتے تھے وہ اُٹھ کر خوجہ کی حویلی میں آگئے
اس پر سفلی نے یہ شعر کہا ؎

لو اور جا کے رہو خوجہ کی حویلی میں
تمہیں بھی شیخ جی سب ہیجڑا سمجھتے ہیں

فکر

مرزا فدا علی اور مرزا نثار علی مرزایان اکبر آباد سے تھے۔ آگرہ کے رؤسا میں شمار تھا ان ہر دو صاحبوں کی نشست مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کے یہاں تھی ان میں سے ایک صاحب جو عمر میں کم تھے وہ پہلے مولوی صاحب کے یہاں آگئے اس کے بعد بڑے بھائی آئے اور وہ چھوٹے صاحب کے پاس کھڑے ہو کر مولوی صاحب سے کچھ کہہ رہے تھے
اس صحبت میں سفلی بھی تھے فی البدیہہ کہتے ہیں ؎

نئے استاد جی بیٹھے ہوئے ہیں
پرانی نائکہ سر پر کھڑی ہے

سب ہنسنے لگے۔

جناب زماں اکبر آبادی

محمد زماں خاں رسالدار تخلص زماں آگرہ کے رہنے والے تھے۔ گوالیار میں رسالدار تھے۔ بعد پنشن وطن آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی[1]۔ لطیفہ گو

---

[1] سخنوران اکبر آباد، شاعر کا آگرہ نمبر ۱۹۳۶ء

بذلہ سنج بزرگ تھے۔ مولوی اکرام اللہ شہابی صاحب تصویر الشعرا کے احباب
میں سے تھے۔ مولوی صاحب علم دوست اور کثیر الاحباب بزرگ تھے۔ ڈپٹی
وقار علی بیگ جو مرزا غالب کی پھوپی کے پوتے تھے۔ مرزا نثار علی بیگ ڈپٹی
کلکٹر۔ مولوی بنارسی خاں تحصیلدار۔ خان بہادر مولوی نصر اللہ خاں صدر الصدور
قاضی باسط علی خاں باسطؔ قاضی شہر۔ مرزا فدا علی بیگ۔ مرزا نثار علی بیگ
مرزا علی حسین قیصرؔ۔ منشی غلام رسول نقشہ نویس۔ میر مومن حسین صفیؔ مرزا خادم حسین
رئیس مولوی اصغر علی اصغر صاحب گلشن جانفزا حضرات سے روابط و دوستی
تھی۔ مولوی صاحب کے یہاں روزانہ احباب کی نشست رہتی۔ اپنی گلی (جس
مکان میں آج کل میونسپل بورڈ کا مکتب ہے) میں رہتے تھے۔ شغل مختاری تھا۔
مرزا فدا علی میں اور زماں خاں میں برابر کی چوٹ تھی۔ زماں ٹھگنے
قد کے آدمی تھے۔ پیٹ آگے نکلا رہتا تھا۔ دوہرے جسم کے تھے خود فرماتے ہیں

پوچھو نہ مجھ سے تم محمد زماں کا حال
موٹے سے ہیں اور بجاتے ستار ہیں

مرزا فدا علی بیگ لانبے قد کے دبلے پتلے تھے علمی ذوق کے لوگ تھے مرزا صاحب
جناب زماں کو جب دیکھتے "کوس رحلت" کی پھبتی کہتے زماں سن کر ہنس دیتے
ایک روز مولوی صاحب موصوف کے یہاں اہل علم کا مجمع تھا۔ زماں نے موقعہ پاکر
مرزا صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ ایک رباعی عرض ہے

ایمان من محبت آل محمد است | جانم فدائے خاک رہ مرتضیٰ علیؓ
من کوس رحلتم مگر از لشکر حسینؓ | نہ رائٹ یزید چو مرزا فدا علی

حضرت سفلی اکبر آبادی

عنایت علی خاں مشہور کالے خاں متخلص سفلی بذلہ سنج لطیفہ گو شاعر تھے صاحب دیوان ہیں اُن کی منظورِ نظر کے اُستاد کا انتقال ہوگیا تاریخ فرماتے ہیں

جب مجو خاں گوئے کا آیا قریب وقت
سارنگی لے کے چلنے کو بھٹیا گمر کسے
مرتے ہی رنڈیوں نے یہ نوحہ بپا کیا
زہرہ کا رقص دیکھنے اُستاد چل بسے

۱۲۹۸

قطعہ تاریخ

بینی بریدہ ہو گئی خود بینی کے سبب
کلو نے کیسا کام کیا ناقص و زبون
بہکا کے اک غریب کی عورت کو لے گئی
زیور کو اس کے بیچ کے پہنچی تھی ڈیڑھ دون
کسی بگڑے دل نے کاٹ لی اُس نابکار کی ناک
کچھ خون بہا نیا یا بہا گرچہ اس کا خون
گو چھنکنے سنکنے کے جھگڑے سے چک گئی
دھبا مٹے گا اسکا نہ لیکن مرے بدوں
موزوں ہوا یہ مصرعہ تاریخ دردناک
کٹوا لی اسنے ناک پر آیا گیا شگون

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

مولانا حالی دلی سے پانی پت روانہ ہوئے یہاں کی صحبتیں اور احباب کہاں ملتے کہتے ہیں ؎

دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

حضرت رئیسؔ اکبر آبادی

مرزا خادم حسین متخلص رئیس امرائے اکبر آباد بڑی وضع اور آن بان کے بزرگ تھے علم وفضل کے ساتھ شاعرانہ ذوق تھا۔ داغ۔ امیر۔ جلال کے ہم پایہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے صاحبزادہ مرزا محمد زکریا بلک کے ختنہ کی تقریب تھی۔ آگرہ کے تمام عمائد ڈپٹی نثار علی بیگ۔ ڈپٹی مرزا وقار علی بیگ برلاس مفتی اکرام اللہ شہبائی ڈاکٹر الہام اللہ گویاموی خان بہادر مولوی نصر اللہ خاں صدر الصدور خاں بہادر ڈاکٹر وزیر الدین قریشی فرخ آبادی حکیم سید سخاوت علی منشی عبد الکریم آئی۔ ایس۔ او انڈین پراؤیٹ سکریٹری ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند بزرگ علی عالی مولوی نثار علی نثار منشی امیر الدین وغیرہ شریک ہوئے حجام نے جس وقت ختنہ کیا رئیس برجستہ کہتے ہیں ؎

حجام نے کیا ہے کام عجب نمود کا
گل لے گیا تراش کے شمع وجود کا

جسٹس محمود

نواب محسن الملک مہدی علی خاں حیدر آباد سے عرصہ دراز بعد آئے دسمبر سنہ ۱۸۹۰ء الہ آباد میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس پنجم تھا۔ اس میں تقریر کرنے کے لئے تیار ہوئے ان سے پہلے جسٹس محمد محمود مرحوم

نے ایک اشتیاقیہ فارسی غزل تصنیف خود نہایت پرجوش لہجہ میں پڑھی ؎

ندارم آرزو واز دل کہ از دل آرزو دارم
کہ راز خویش پنہانی بہ پیش خویشتن آرم

ہمیں خواہم کہ چیزے خوب گویم بہر ہندوستاں
کہ ہندوستاں نژادہستم وہندوستاں است جانانم

الا اے مہدی ہندی کہ مشغول دگر گشتی
مرا ہم باز پرس آخر کہ عشقت ہست درمانم

دریغ از گردش گردوں کہ دور افتادہ ام از تو
کہ ہستی انتخاب از زمرۂ احباب واخوانم

ازاں گفتم من اے محمود ایں اشعار رنگیں را
کہ مخدومی اخی مہدی علی شد جان وایمانم

قلندر بخش جرأت اکبر آبادی

نواب محبت خاں ابن حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ کی سرکار سے جرأت کو وظیفہ ملتا تھا۔ ایک بار ان کے مختار نے جرأت کی سرمائی پوشاک میں کچھ توقف کیا۔ جرأت کو تاب انتظار کہاں تھی جھٹ یہ رباعی سنا کر کھڑے کھڑے ایک خلعت حاصل کیا ؎

مختار سے یہ آپ کیجیے گا نہ گھمنڈ
کہتے ہیں جسے نوکری ہے ہنج ازمڈ
سرمائی دلائیے ہماری ورنہ
تم کھاؤ گے گالیاں جو ہم کھائیں گے ٹھنڈ

لطیفہ

ڈاکٹر لکشمی دت صدر ضلع کانگریس کمیٹی آگرہ راقم سطور کے دوست تھے ان کے والد کے ملنے والے پنڈت فتح چند تھے۔ شعر و شاعری سے ذوق تھا۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب ان سے گلستاں کی تعریف کرنے لگے کہ شیخ سعدی شیرازی نے اخلاق میں لاجواب یہ کتاب لکھی ہے فتح چند سنتے رہے مولانا کچھ نہ کہی پھر فرمایا ؎

گل وبلبل کا کہیں ذکر نہ سعدی نے کیا
چھوڑ دیں خاص جو باتیں تھیں گلستاں کے لیئے

لطیفہ

ڈاکٹر لکشمی دت مقرر بڑے تھے ایک دفعہ اثنائے تقریر میں کہنے لگے میرے ایک قدیمی ملنے والے لچھمی پرشاد ریٹائرڈ ہیڈ کلرک پی ڈبلو ڈی عرصہ بعد ایک تانگہ میں ملنے کا اتفاق ہوا یہ شراب کے بڑے رسیا تھے۔ اس وقت کلفت زدہ نظر آئے میں نے مزاج پرسی کے بعد پوچھا کہئے شراب چھوڑ دی اور اب کیسے دن گذر رہے ہیں وہ پنشن لے چکے تھے بڑی حسرت سے کہتے ہیں ؎

بڑے مزے سے مصیبت کے دن گذر جاتے
شراب تھوڑی سی گرچہ کہیں سے مل جاتی

حضرت اکبر اور کرزن فیشن

نامور ادیب و شاعر مرحوم سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی اپنی روشن خیالی کے باوجود مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے اور وضع کے پابند۔
ڈاڑھی منڈانے کا رواج ہندوستان میں عام تھا۔ لیکن لارڈ کرزن جو

ہندوستان آئے ان کی دیکھا دیکھی مونچھ کا بھی صفایا ہونے لگا پہلے پہل خان بہادر سید آل نبی وکیل آگرہ اور مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا نے لارڈ موصوف کی تقلید کی پھر تو انگریزی دانوں میں عام رواج ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ہجو میں حسب ذیل قطعہ ارشاد فرمایا ؎

کر دیا کرزن نے زن مردوں کو صورت دیکھئے
آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر مونچھ لی
سچ یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کر دیا
ابتدا ڈاڑھی سے کی اور انتہا میں مونچھ لی

اتفاق سے اکبر الہ آبادی کے ایک دوست مسٹر عبد الغفور خاں مرحوم علیگ نے بھی اپنی مونچھوں کو نئے فیشن کی قربان گاہ پر نذر کر دیا جب وہ مرحوم اکبر صاحب سے ملنے آئے تو مرحوم دوست کی نئی ہیئت کذائی دیکھ کر بہت ہنسے اور دوستوں کو مخاطب کر کے برجستہ فرمایا ؎

دیکھ عبد الغفور خاں کی طرف — مرد خوش حال اس کو کہتے ہیں
چار ابرو کا یاں صفایا ہے — فارغ البال اس کو کہتے ہیں

اکبر حسین مرحوم جج ہائی کورٹ کے مقرر ہوئے تو دوستوں نے مبارک باد دی بجائے دعوت کے یہ شعر نذر کیا ؎

جج بنا کر اچھے اچھوں کا بہا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوشنما دو جیم ان کے ساتھ میں

نواب کلب علی خاں

مولوی حسن علی خاں رامپوری شاعر تھے۔ نواب کلب علی خاں حج سے واپس آئے تو تہنیت میں فرماتے ہیں ؎

ندا ز ہاتف غیبم بگوش جان آمد | کہ از حجاز شہنشاہ انس و جان آمد
بدل خیال نمودم کہ کیست ایں یارب | کہ بہر او ہمہ رحمت ز آسمان آمد

در آں زماں بنوائی غریب ہاتف گفت
ز کعبہ کلب علی خاں شہ زماں آمد

میر عوض علی عدیل بھی اس وقت وہاں موجود تھے کہتے ہیں

جناب کلب علی خاں بہادر نواب | بہند با شرف حج چو دلنواز آمد
بطرز سال نکو فال گفت پیر خرد | بہار گلشن ہندوستان بناز آمد[1]

کیفی مرادآبادی

ایوب خاں کیفی ولد انور خاں مرادآبادی نواب مجو خاں کے مختار کل تھے۔ نواب کو ہنگامہ ۵۷ء کے سلسلہ میں پھانسی لگی ان کو بھی انڈمن جانا پڑا۔ ایک صحبت رقص و سرود کی نواب مجو خاں کے یہاں تھی۔ ایک مطربہ آئی اس کی چوٹی سبز موباف سے گندھی ہوئی اس کو دیکھتے ہی کیفی کہتے ہیں ؎

---

[1] انتخاب یادگار صفحہ ۱۱۴

موباف سبز چوٹی میں رنگت بدل گیا
اندھیر ہے کہ سانپ زمرد نگل گیا

مرزا معین الدین حیدر غمگین مرادآبادی

رام پور میں سالانہ باغ بے نظیر میں بڑے پیمانہ پر جشن ہوا کرتا تھا۔ غمگین نے اس کے متعلق قصیدہ لکھا کہتے ہیں ؎

وہ بہار آئی ہے عالم میں کہ ہو محو و شباب ۔ رونق باغ بنی حسن زلیخا کا جواب
قصر افلاک میں گونجی جو صدا قرنا کے ۔ پنبہ گوش کیا گنبد گردوں نے سحاب

صفت آتشبازی

چکر ایسے کہ فلک دیکھ کے چکر میں ہے ۔ صورت آئینہ دریا میں ہو ساکن گرداب

ادبی صحبت

شیخ سیف اللہ ثاقب بریلوی فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ رامپور میں ایک صحبت شعر و ادب میں شریک ہوئے ان میں نظیر شاہ خاں شاد بھی تھے ان کے سامنے یہ مطلع پڑھا۔

یار را از من خیال دیگر ست ۔ بہ ہم ہر لحظہ قال دیگر ست
نظیر شاہ خاں نے کہا جائے استاد خالی ست ثاقب نے کہا شاد صاحب آپ ہی میرے کلام کی اصلاح دیجئے۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے استاد کریم الدین آرزو کے پاس مرادآباد لیگئے ان کے سامنے پھر یہ مطلع پڑھا آرزو نے

فی الفور اصلاح کی ؎

یار را از من خیال دیگر ست — گرچہ جان من بحال دیگر ست

اس دن سے ثاقب اُن کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔"

لطیفہ

جس زمانہ میں جناب محشر کوچہ شاہ چہرا میں رہتے تھے بیمار ہو گئے جب چند روز بعد صحت ہوئی تو باہر نکلے اُس دن ان کی عدم موجودگی میں جناب رشید عیادت کو تشریف لائے جناب محشر گھر میں کہاں تھے جو ملتے رشید نے کاغذ اور قلم دوات منگوائی خادمہ نے پنسل کاغذ حاضر کیا اس سے کہنے لگے بُوا ہم لوگ اگلے وقت کے ہیں ابھی تک نہ پنسل سے لکھا ہے نہ لکھنا آتا ہے۔ قلم دوات لاؤ غرض کہ قلم دوات آئی اور رشید یہ شعر لکھ کر واپس گھر آ گئے ؎

رکاب گنج سے مشتاق دید آیا تھا
ملے نہ حضرتِ محشر رشید آیا تھا

لے [illegible]

تعریف نیشن

از

شمس العلما مولانا حالی مرحوم

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب

کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
زباں جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب

مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے
نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب

وہ نیشن کہتے ہیں اس بھیڑ کو بھی
کہ جس میں وحدتیں مفقود ہوں سب

زباں اسکی نہ ہو مفہوم اس کو
ہوں آدم تک جدا اسکے جد و اب

جو واحد لاشریک اس کا خدا ہو
تو لاکھوں اسکے ہوں معبود اور رب

حضرت گرامی

مولانا غلام قادر گرامی جو عہد حاضرہ کے نامور فارسی گو تھے۔ اقبال کے متعلق کہتے ہیں ؎

در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال
پیغمبری کرد و پیغمبر نتواں گفت

گرامی مرحوم مرض الموت میں مبتلا ہونے علامہ اقبال کو اکثر یاد کرتے آخری لمحوں میں یہ شعر زبان پر تھا ؎

صبا بہ حضرتِ اقبال ایں پیامم دہ   کہ رفت جانِ گرامی و تو ہنوز خموش

خواجہ محمد عبد المجید دہلوی

مولانا حالی مفلوج حالت میں دلی آئے۔ ایک کوٹھی میں اُترے اس زمانہ میں گویائی بالکل مفقود تو نہیں ہو گئی تھی بمشکل سے دو لفظ بول سکتے تھے۔ خواجہ محمد عبد المجید دیکھنے گئے یہ حال دیکھ کر کہتے ہیں ؎

یہ احوال حالی کا خواجہ سے کہدو   ہے زندہ مگر اُس کو چپ لگ گئی ہے
یہ حالی نہیں اس کا بت ہو تو ہو یہ   مگر کس بلا کی یہ کاری گری ہے
سکوتِ مجسم تعجب کی جا ہے   خموشی تو ضرب المثل موت کی ہے
سزائیں بہت سنتی دیکھی ہیں ہم نے   مگر یہ سزا تو نرالی ملی ہے
چو بکو اسیا ہوا سے چپ لگا دو   زباں تم نے بلبل کی کیوں چھین لی ہے

ہر اک بات سی پھول جھڑتے ہیں اِسکی
یہ ہیں شعر یا پھولواڑی لگی ہے [1]

حضرت اکبر الہ آبادی

حضرت اکبر فرماتے ہیں ایک دن ایک مسلمان گریجویٹ تشریف لائے ان کی لیاقت تاریخی واقفیت اور گفتگو سے بہت جی خوش ہوا۔ اتنے میں

---

[1] یادِ رفتگان از خواجہ عبد المجید دہلوی

حافظ صاحب نے مغرب کی اذان دی۔ اذان سنتے ہی یہ صاحب بولے اب میں اجازت چاہتا ہوں سب لوگ مصلیٰ کی طرف بڑھے اور وہ صاحب دروازے کی طرف۔ میں حیرت میں رہ گیا۔ کہ قال اور حال میں اتنا فرق ہے میں نے اس پر کہا ؎

دل میں خاک اڑتی ہے خالی لہجہ و لب دیکھئے
مذہب اب رخصت ہے بس تاریخ مذہب دیکھئے

الہلال

مولانا ابوالکلام آزاد کا اخبار ۱۹۲۳ء میں ضمانت کے ضبط ہونے سے بند ہو گیا ؎

مغرب کی برق ٹوٹ پڑی اس غریب پر
دورِ فلک ہلال کو لایا صلیب پر

جناب اکبر ۱۹۱۹ء میں بیمار ہوئے عشرت منزل میں قیام تھا مولوی قمر الدین احمد بی اے بدایونی مزاج پرسی کرنے آئے۔ جگر کی خرابی سے ناتوان ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت اب طبیعت کیسی ہے فرماتے ہیں ؎

اگر کچھ زندگی باقی ہے اچھا ہو ہی جاؤں گا
وگرنہ جس طرح سب سو گئے ہیں سو ہی جاؤں گا

ملے بزم اکبر صفحہ ۷۶

فکہ

الف دین ایبٹ آبادی نے اپنی تصنیف حضرت اکبر کے پاس بغرض ملاحظہ بھیجی فرماتے ہیں ؎

الف دین نے خوب لکھی کتاب
کہ بے دین نے پائی راہِ صواب

لکھنؤ میں شیعہ سُنّی فساد

کہاں دلوں سے شریف کا کام چلتا ہے
فقط زبان سے بزرگوں کا نام چلتا ہے
ہوئی طریق بزرگان کی پیروی مفقود
بس انکے نام پہ لٹھہ صبح و شام چلتا ہے

فکہ

گاندھی جی تحریک خلافت کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے بڑے خواہشمند تھے۔ مگر سرحدی مسلمانوں کا ڈر بھی فکرمند کئے رہتا تھا ہر دو میں گھلے جاتے تھے۔ لالائن کے منہ سے حضرت اکبر کہتے ہیں

جان اُن کی کہیں ترکِ موالات نہ مارے
ڈرتی ہوں کہیں تُرک موالات نہ مارے

لطیفہ

اب تو بیس بھس کرلیا اور چل دیئے گودام کو
جن سے مسجد گونجتی تھی وہ نمازی اب کہاں
اب سے بی اے کی طلب تفسیر کا کس کو خیال
فکر روزی ہو رہی ہے فخر رازی اب کہاں

حضرت اکبر الہ آبادی

جنگ بلقان کے بعد یورپ میں جنگ شروع ہو گئی۔ ہندوستان میں بھی ہندو مسلمانوں میں فساد جگہ جگہ ہونے لگے اس پر حضرت اکبر فرماتے ہیں ؎

ہر ایک کا جہاں میں ارمان نکل رہا ہے
تو ہیں بھی چل رہی ہیں جوتا بھی چل رہا ہے

فکر

خلافت کی تحریک کے زمانہ میں جیل جانے کا ذوق ہر کہ و مہ کو تھا جب وہاں سے لوٹے تو ممبریوں کے حقدار بلکہ ٹھیکہ دار ہی تھے اور انجمن سازی کرنے لگے ؎

مل نہ سکتی ممبری تو جیل ہی کو جھیلتے
ناتواں ہیں ورنہ کوئی کھیل ہم بھی کھیلتے

فکر

خان بہادر مولوی عبدالاحد سرکاری آدمی تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو مسلمانان دہلی نے اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا ؎

تھے معزز شخص لیکن ان کا حال کیا لکھوں
گفتنی درج گزٹ باقی جو ہیں ناگفتنی

گزٹ اکرزن گزٹ جس میں ان کے حالات شائع ہوئے تھے،

سیرت پیغمبر خاتم

علامہ شبلی

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی کی ترتیب شروع کی تو شعر العجم اور المامون وغیرہ اپنی تصانیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی ؛ مجھے چند مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتم ؛ خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

وفد انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری مولانا محمد علی کے مشورہ سے ہلال احمر کیطرف سے طبّی وفد لیکر ترکوں کی معاونت کے لئے قسطنطنیہ گئے۔ وہاں سے بخیر و خوبی واپس آئے۔ مولانا شبلی۔ ڈاکٹر انصاری سے ملے اور فرمایا ؎

ادا کرتے ہیں ہم شکرِ جنابِ حضرتِ باری
کہ آئے خیریت سے ممبرانِ وفد انصاری

ہزاروں کوس جا کر بھائیوں کی تم نے خدمت کی
یہی تھا دردِ اسلامی یہی تھی غم خواری

لطیفہ

حضرت اکبر الہ آبادی

خان بہادر جج سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی لطیفہ گو خوش مذاق بزرگ تھے

الہ آباد میں ایک ایٹ ہوم میں خان بہادر صاحب بھی شریک ہوئے۔ وہاں طرح طرح کے انگریزی لباس پہنے ہوئے ہندوستانی جمع تھے ایک کالے صاحب بھی تھو ان کو انگریزی لباس جچتا نہ تھا۔ ان پر حضرت اکبر پھبتی کستے ہیں ؎

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن میں پوچھتا ہوں تجھ سے ہندی
یورپ کا تیری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

لطیفہ

ایک دن حضرت اکبر اس راہ سے گذرے جس طرف کلالی تھے آپ کی نظر جو پڑی وہاں مسلمانوں کا مجمع دوسری قوم کے مقابلہ میں زیادہ تھا وہ فرماتے ہیں ؎

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں

لطیفہ

پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا فسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

لطیفہ

عل اُنسے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اُنکے ہاتھ کیا نعم البدل آیا
محلے میں نہ کی جب شیخ کی قعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جاکر کود اچھل آیا

نواب صدر یار جنگ بہادر

نواب صدر یار جنگ بہادر ڈاکٹر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی دلی گئے اور چوبا کے چھتّے میر مجروح شاگرد مرزا غالب سے ملنے گئے۔ مجروح نے صدر یار جنگ بہادر کی بڑی آؤبھگت کی اور اپنی غزل سُنائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

رہرو راہ فنا ہوں مجھے کیا دیکھتے ہو
قطرۂ اشک ہوں اک جنبش مژگاں میں ہوں

اور مرزا غالب کا ذکر کرتے رہے مثنوی ابر گہر بار اور باد مخالف کے اشعار پارسی لہجے میں سُنائے۔ کچھ عرصہ بیٹھ کر رخصت ہو آئے۔

واقعہ حضرت بیان دہلوی

خواجہ احسن اللہ بیان دہلوی حیدر آباد کے نواب نظام علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ کا زمانہ تھا۔ مگر نواب تک پہنچ نہ ہو سکی کہتے ہیں ؎

گر مری خبر پوچھیں بیان حضرتِ آصف
کہیو اس کوچہ میں بدستور پڑا ہوں

کس مپرسی میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ ان کے شاگرد رائے گلاب چند ہمدم نے تاریخ وفات لکھی ؎

ماہ صفر بجمعہ از دہر خوں بیان رفت
صد نالہ از تہ دل تا اوج ایماں رفت

تاریخ رحلت او ہمدم چو جستم از دل
نالیدہ و گفت ہاتف استاد از جہاں رفت

۱۲۱۳

حزیں و واقف

شیخ نور العین واقف بنارس آئے شیخ المتاخرین علی حزین جیلانی اس زمانہ میں ترک سیاحت کر کے تکیہ فاطماں میں مقیم ہو گئے تھے۔ شیخ ان کے پاس گئے واقف کے پاؤں میں کیچڑ لدی ہوئی برا حال اور چہرہ خاک آلود شیخ کے پاس آئے اور صاحب سلامت کر کے جس پلنگڑی پر شیخ بیٹھے تھے اس پر بیٹھ گئے شیخ نے متعجب ہو کر پوچھا از کجائی واقف نے کہا از بٹیالہ۔ شیخ بولے کہ از واقف واقفی نے جواب میں کہا کہ بلے واقفم شیخ سمجھ گئے بڑے تپاک سے ملے اور برخلاف عادت شعر پڑھنے کو کہا۔ واقف نے آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ غزل پڑھنی شروع کی

ہر غنچہ شگفت الا دلِ من　　اے وا دلِ من صد وا دلِ من

یارب چہ سازد با سنگِ طفلاں　　نازک دلِ من مینا دلِ من

شیخ نے گلے سے لگا لیا اور خود بھی روئے۔

چلے سوئے ارم لو خسروِ ملکِ سخن محسن

۱۳۲۳ (شفق)

لہ خواجہ عشرت سہیل گیا کا حاضر نمبر اگست ۲۰ء

ادبی نکات

نواب نصیر حسین خاں خیال اور حکیم سید کاظم علی اور چند احباب ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے خیال کو اردو ادب میں خاص امتیازی درجہ تھا موازنہ انیس و دبیر مولفہ علامہ شبلی اس زمانہ میں شائع ہوا تھا۔ ہر اہل ذوق کی زبان پر اس کا نام اور اس کا چرچا تھا۔

علامہ نے انیس کے مصرعہ ؎ "سنتے ہی اس خبر کے خوشی ہوگئی شیریں" پر اعتراض کیا کہ خوشی کی جگہ خوش ہونا چاہئیے اور اسے انھوں نے لغزش او زبان انیس کی کمزوری پر محمول کیا ہے۔ نواب خیال نے کہا مولوی صاحب مرحوم نے جس عقیدت وارلوت سے یہ موازنہ ترتیب دے کر اپنی خوش مذاقی کا ثبوت دیا اس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مگر یہ ان مرحوم کا خاص فن نہ تھا اس صنف میں وسعتِ نظر نہ ہونے کی وجہ سے بعض جگہ کچھ لغزش بھی ہوگی انیس نے صحیح لفظ اس جگہ لکھا ہے۔ اُستاد آتش فرماتے ہیں ؎

بہار گلستاں کی ہے آمد آمد　　خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

انیس نے ایک جگہ کمتی لکھا ہے کہتے ہیں ؎

"کمتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباس"

علامہ شبلی کمتی کو عامیانہ لفظ فرماتے ہیں اور اس جگہ کہتے ہیں کمی بولنا چاہئیے تھا۔

حکیم سید کاظم علی کہنے لگے نواب صاحب مصحفی کا یہ شعر ملاحظہ ہو

تو اگر اے چشمِ تر ہتمتی نہیں   یاں بھی خونِ دل کی کچھ کمتی نہیں

یہی اُس وقت کے فصحا کی زبان تھی

نواب نصیر حسین خیالؔ اور علی مرزا عظیم آبادی بیٹھے ہوئے تھے۔ رند کا ذکر آگیا علی مرزا کہنے لگے رند نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

ہم مسافر ہیں اُتر جائیں گے پار اک دم میں
تجکو اے موج مبارک رہے دریا تیرا

ہر ایک پر سکوت سا طاری ہو گیا۔

علامہ اقبال

علامہ اقبالؔ لاہور کے پہلے مشاعرہ میں شریک ہوئے اس صحبت میں مرزا ارشد گورگانی مرحوم بھی تھے اقبالؔ نے غزل پڑھی جب اس شعر پر پہنچے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے   قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

مرزا مرحوم نے بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کہا اور بولے میاں اقبالؔ اس عمر میں یہ شعر ؎

فکر

ایک صحبتِ علمی میں لکھنؤ اور دلی کی زبان کا ذکر آگیا علامہ اقبالؔ کہتے ہیں ؎

اقبالؔ لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض   ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

پروفیسر مولانا حامد حسن قادری بچھرایونی

میر۔ غالب۔ اقبال

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے — جن کی فیض طبع نے اُردو کو گنج زر دیا
ایک اثر میں بڑھ گیا اک فعت تخیل میں — تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
کائنات شاعری میں ہیں یہی دونوں کمال — تیسرے میں اسلئے دونوں کو یکجا کر دیا

حضرت جگر مراد آبادی

حضرت اصغر کے پاس گونڈے میں جگر صاحب ٹھہرے ہوئے تھے پر لطف زندگی گذرتی تھی۔ دن اور رات شعر و شاعری کے چرچے رہتے غرضکہ جگر صاحب کی دلبستگی کا سامان پورا تھا۔ اس کی یاد آتی تو فرماتے ہیں

کیا دن تھے جگر وہ دن جب صحبت اصغر میں
مسرور طبیعت تھی معمور میرا دل تھا

حضرت احسن مارہروی

مارہرہ میں ایک جلسہ تھا جس میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر تقریریں ہو میں آپ نے بھی ایک شعر موقعہ پر سنایا ہے

چلنے لگی آندھیا بغض و حسد کی ہند میں — ہم اوراق پریشاں بنکے کب تک منتشر ہونگے

یادِ رفتگان

نواب اکرم اللہ خاں شیدا۔ مولوی عبد الرحیم بیدل۔ مولانا حالی نواب محمد علی خاں رشکی رئیس جہانگیر آباد رات دن کے ہم نشین تھے۔ حالی کہتے ہیں ؎

بخت ہم داستانی شیدا | تونے آخر کو نارسائی کی
صحبت گاہ گاہی رشکی | تونے بھی ہم سے بیوفائی کی

اقبال سر

ڈاکٹر محمد اقبال کو گورنمنٹ سے خطاب سر کا ملا شعرائے معاصرین نے بہت کچھ طبع آزمائیاں کیں ایک نظم کے تین شعر ملاحظہ ہوں ؎

لو مدرسۂ علم ہوا قصر حکومت | افسوس کہ علامہ سے سر ہو گئے اقبال
پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج | اب اور سنو "تاج" کے سر ہو گئے اقبال

کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

علامہ اقبال

سنہ ۱۸۹۶ء میں علامہ اقبال بی اے میں تھے آپ کی شاعری کی دھوم

یادِ رفتگان صفحہ ۱۴۱

طلباء میں اور خاص خاص احباب کے حلقہ سے نکل کر عام مجلسوں میں پہنچی ایک جلسہ میں شریک ہوئے۔ رباعی پڑھی ؎

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر　　چشم اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
دُرِ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں　　مل کے دنیا میں رہو مثل حروف کشمیر

دیگر

سر اقبال کو مرزا داغ کی شاگردی پر بڑا فخر تھا ایک موقعہ پر کہتے ہیں ؎

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردیٔ داغِ سخنداں کا

علامہ سیماب اکبر آبادی

علامۂ محترم نے تاج اخبار میں انتظام اللہ کی سوانح کے سلسلہ میں یہ قطعہ تحریر کیا تفنن طبع کے لئے درج ہے ؎

خلف السلف

دیارِ تاج میں اے زندہ یادگارِ سلف　　طراز وضع میں اے عظمت دیارِ سلف
یہ ذوقِ علم یہ شوقِ ادب میں سرگرمی　　تری نظر میں ہے سرمایۂ وقارِ سلف
خدا نے بھیج دیا انتظام کرنے کو　　کہ منتشر نہ ہو روحِ نشاط کارِ سلف
تری پناہ میں اسلاف کی امانتِ فکر　　تری نگاہ میں رنگینیٔ بہارِ سلف

عجب نہیں جو وطن پھر ہو کامرانِ حیات
نفس نفس ہے ترا آج زندہ دارِ سلف

دعائے اسیر

مولانا محمد علی رانچی جیل میں قیدِ فرنگ میں تھے ان کی بیٹی آمنہ سخت بیمار ہو گئی۔ اس کی اطلاع جیلخانہ میں ملی اسیر یہ دعا کی ؎

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں — تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
اس کی رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے — ہم توکل سے کسی وقت بھی معذور نہیں
امتحان سخت سہی پر دلِ مومن ہے وہ کیا — جو ہر ایک حال میں اُمید سے معمور نہیں
صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکرِ خدا — نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں
ہے دعا اور دعا فرض وہی حکمِ خدا — ٹل سکے یہ کسی بندے کا بھی مقدور نہیں
ہم کو تقدیرِ الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ — اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو — نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

.. ..

تیری قدرت سے خدایا تیری رحمت نہیں کم — آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں
باپ کو گو تو یوسف کی طرح ہے وہ غریب — نہ سہی حسن میں گر خلق میں مشہور نہیں
یاں بھی ہے یوسف و یعقوب میں زنداں حائل — میں بھی محصور اگر آپ وہ محصور نہیں

؎ اخبار تاج فروری ۱۹۳۵ء

مرحم زخم جگر آج بھی ہے صبر جمیل
حزن فرقت سے مگر آنکھ میں اب نور نہیں

میری اولاد کو بھی مجھ سے ملا دے یارب
تو ہی کہہ دے تیری رحمت کا یہ دستور نہیں

شان رحمت مجھے دکھلا کہ ہو تسکیں کا نزول
دل جو ہر ہے یہ یارب جبلِ طور نہیں

علامہ سیماب اکبر آبادی

علامہ سیماب اکبر آبادی نے مشاہیر وطن کے سلسلہ میں مولانا سعید احمد مارہروی جنہوں نے شعیب محمدیہ ہائی اسکول اور محمڈن اورینٹل کالج انجمن محمدیہ کتب خانہ محمدیہ یہ علمی ادارے بنائے۔ ذکر تاج اخبار میں کیا ایک قطعہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

بیسویں صدی کا سر سید

وہ پاکباز جو ہے مفتخر اب وجد میں
بڑھا ہے علم و تعلّم کے شوق بجد میں

ہوا سر آمد ارباب آگرہ آخر
ملا جو حصہ مخصوص فیض سرمد میں

بنا کے بھیج دیا نا خدا خدا نے اُسے
جہاں تھی کشتی تعلیم جزر اور مد میں

خدا کا فضل ہوا اس عبد پاک طینت پر
جہاں علم بنایا حدود معبد میں

ہے عین علم بظاہر اک امتیاز خفی
نہیں ہے فرق وگرنہ سعید و سید میں [1]

---

[1] اخبار تاج ۱۰ر جنوری ۱۹۳۵ء

فارغ اور وحیدن

خیرآباد علما کی بستی ہے شعروشاعری کے چرچے یہاں دن رات رہتے حرماں، مضطر، ریاض کی شہرت عام ہے۔ منشی مظفر حسین منچلے رئیس ان کے یہاں روزانہ ارباب سخن کا مجمع رہتا۔ منشی الطاف حسین احمر ملہوری ثم اکبرآبادی خیرآباد امیر المطابع میں منسلک ہو گئے - یہ بھی منشی مظفر حسین کے یہاں روزانہ چلے جایا کرتے فارغ وفروغ بھی گاہے گاہے شریک صحبت ہوتے۔ وحیدن طوائف رئیس صاحب سے متعلق تھی۔ فارغ صاحب اس کو مخاطب کرکے کہتے ہیں ؎

یہ چھوٹی سی مسجد تری بی وحیدن
نہ جائے مصلیٰ نہ جائے وضو ہے

وحیدن فی البدیہہ تک بندی میں جواب دیتی ہے ؎

جس گھر سے نکلے تھے کل سر رگڑ کر
اسی گھر میں جانے کی پھر آرزو ہے

بانکے

دلم را برد شوخے بانکے طورے پرفنے رندے ... برنگ گل قبائی تنگ پوشی چہرہ نک بندے
دو دامے یک بہتی در بر کلاہ زرفشاں برسر ... کمر رابستہ باجہ ہر سپاہی زادۂ تندے

بیگمات میں ایک بڑی منہ چڑھی تھی ابوظفر پر اس نے پھبتی کہی ؎

یوں تھے ابوظفر شہ اکبر کے روبرو
جیسے اوبالی وال مزعفر کے روبرو

مولوی حشمت اللہ جج ایم اے۔ آئی سی ایس

۱۸۹۲ء میں سرسید نے حیدرآباد کا مشہور سفر مولانا حالیؔ مولانا شبلی مولوی حشمت اللہ و دیگر رفقاء کے ساتھ کیا۔ امیر کبیر نواب سر آسمان جاہ بہادر وزیراعظم کے یہاں اس روز کی دعوت تھی۔ ڈنر پر مولوی حشمت اللہ نے دلچسپ تقریر کے ساتھ اس وقت ایک قطعہ نظم کرکے سنایا ؎

کس کو معلوم ہے اسلام پہ کل کیا گزرے
شب کے بیمار کو مہلت کبھی ملے یا نہ ملے
حالت زار کو احباب سے کہہ دو حشمتؔ
پھر خدا جانے یہ صحبت کبھی ملے یا نہ ملے

مرزا سودا دہلوی

ایک مرتبہ سوز مرزا سودا کے پاس اصلاح کے لئے حاضر ہوئے غزل کا مطلع سنایا مرزا کو طفلانہ مطلع پسند نہ آیا اس وقت ایک مطلع خود کہہ کر سنایا ؎

ہیں جوں گل ہوس ابر سیاہ ہے گا ہے
صحبت غیر میں گاہے ہے سر راہ ہے گا ہے

جرأت بھی موجود تھے ان کی ان دنوں میں ابتدا رہتی خود جرأت نہ کر سکے ایک

شخص نے کہا کہ حضرت یہ بھی کچھ عرض کیا چاہتے ہیں مرزا نے کہا کہو۔ جرأت نے پڑھا ؎

سرسری ان سے ملاقات ہے گاہے گاہے
صحبت غیر میں لگ ہے سرِ راہے گاہے

سب نے تعریف کی اور مرزا موصوف نے بھی تحسین و آفریں کے ساتھ پسند کیا۔

میر تقی میر

آخر عمر میں میر تقی میر لکھنؤ میں جاکر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے یہاں گاہے گاہے شام کو دو ایک مخصوص اصحاب جمع ہو جاتے۔ آپ کی ضعیفی کا ذکر ہونے لگا ایک صاحب بولے اگلے لوگوں میں ایک میر صاحب رہ گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فی البدیہہ فرمایا ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں　　اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

حضرت مصحفی

مصحفی لکھنؤ میں مقیم تھے دیوان مرتب کر رہے تھے رہ رہ کے اپنے پہلے دیوان کے چوری جانے کا خیال آتا، اس عالم میں فرماتے ہیں ؎

اے مصحفی شاعر نہیں پورب میں ہوا میں
دلی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا

قتیل و مصحفی

مرزا قتیل سے اور مصحفی سے گہرے مراسم تھے "عقد ثریا" تذکرہ ان کے مشورہ سے لکھا گیا چنانچہ اپنی اور ان کی دوستی کا اور شعر گوئی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

بطریق کلیم اور قدس — جان و دل سے یہ یار ہیں دونوں
کوئی سمجھے تو مصحفی و قتیل — شعر میں یادگار ہیں دونوں

زبان دانی

مصحفی ۱۲ برس دلّی رہے یہاں کی خوبیوں سے واقف اور استادوں کی صحبت سے ٹکسالی زبان کا چھینٹا اُن پہ پڑے بغیر نہ رہا خود بھی یہاں کی زبان سے لطف اندوز ہوتے لکھنؤ پہنچے۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت میر پر پھبتی کسی تھی ان کو کہاں یہ نگاہ میں لاتے اِن دنوں اساتذہ دلی و آگرہ کے پہنچ جانے سے زبان کچھ سے کچھ ہو گئی تھی وہ مصحفی کے منہ آنے لگے اس پر فرماتے ہیں ؎

بعضوں کا گمان ہے کہ ہم اہل زبان نہیں
دلّی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں

لکھنؤ میں چند روز غلام علی خاں کے ہمراہ رہے اس کے بعد دلّی واپسی کا قصہ تھا ؎

مصحفی لکھنؤ میں دلّی سے — آیا طے کر کے راہ دور و دراز

لیکن اس خاک میں اُسنے کہیں کچھ نہ دیکھا بجز نشیب و فراز

صاحب عالم جہاں دار شاہ اور مصحفی

حضرت امیر احمد علوی نے حیاتِ مصحفی میں لکھا ہے مرزا جوان بخت جہاندا شاہ شاہانہ ٹھاٹھ سے لکھنؤ میں مقیم تھے، شعرا کی قدر افزائی کرتے اور خود بھی شعر کہتے تھے مہینے میں دو بار مشاعرے منعقد کرتے اور سخنوروں کو چوبدار بھیج کر یاد فرماتے۔ اور ہر ایک سے نہایت گرم جوشی سے ملتے۔

نواب شمس الدولہ قسمت نواب بارگاہ قلی خاں کے صاحبزادے جن کی شجاعت اور شرافت کی شہرت عام تھی صاحب عالم کی سرکار میں مختار کل اور مصحفی کے معتقد تھے۔ مرشد زادہ آفاق کی جناب میں تعریف کی۔ حضور بھی مشتاق ہوئے اور عید کا دن ملاقات کے لئے طے ہوا۔ مصحفی نے تہنیت عید کا قصیدہ تیار کیا اور ایک رباعی لکھی لیکن دربار میں اژدہام کی وہ کثرت تھی کہ قصیدہ پڑھنے کا موقعہ نہ ملا۔ قسمت حاضرین کی صفیں چیرتے ہوئے سرکار تک پہنچے اور مصحفی کا قصیدہ شاہزادہ کے ہاتھ میں دیا مگر تہیدستان قسمت کو کچھ فائدہ نہ ہوا رباعی یہ تھی ؎

یا رب تیری بزم رشک گلزار رہے | اور بخت جواں سدا تیرا یار رہے
ہے مصحفی غریب کی نت یہ دُعا | جب تک کہ جہاں رہے جہاندار رہے[1]

---

[1] نگار جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۷

واقعہ

نواب مہربان خاں رند جن کی سرکار میں کبھی سودا اور سوز ملازم تھے ریاست کا کارخانہ درہم و برہم ہونے کے بعد لکھنؤ میں گوشہ گزیں تھے محلہ رستم نگر میں رہتے تھے مرزا قتیل کیساتھ مصحفی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر وہ خود ہی تباہ حال تھے ان کی کیا خبر گیری کرتے ؎

اے مصحفی مت پوچھ کہ دلّی سے نکل کر
کیا کہئے کہ ہم کتنے پشیمان ہوئے ہیں

حضرت قائم چاندپوری

نواب علی محمد جان روہیلہ کے چھوٹے بیٹے محمد یار خاں نام امیر تخلص ٹانڈے میں مسند امارت بچھائے تھے علم موسیقی اور ستار نوازی میں یگانۂ روزگار تھے۔ اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے۔ سنبھل کے ایک شخص انصاری کبیر علی نام کبیر تخلص طبیب ریاست تھے مزاج میں ظرافت تھی۔

ایک ہی یار سے دم ناک میں آیا ہے کبیر
زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

انہوں نے نواب کو اُردو شاعری کا شوق دلایا۔ مرزا رفیع سودا امیر سوز کو طلبی کے خطوط لکھے گئے تھوڑے عرصہ میں شعرا کا جمگھٹا ہو گیا۔ قائم چاندپوری جو سودا کے نامور شاگرد تھے وہ بھی حسب الطلب ٹانڈے پہونچے۔ سو روپیہ ماہوار

تنخواہ مقرر ہوئی اور نواب کی استادی کا شرف ملا۔

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے امیر
مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اتنے

قائم کا ایک شعر ضرب المثل ہوگیا ہے ؎

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا[1]

سلیمان شکوہ

صاحب عالم سلیمان شکوہ کی مدح وثنا سے مصحفی تر زبان رہتے اور دعا کرتے کہ ؎

تخت طاؤس پہ جب ہووے سلیماں کا جلوس
مورچھل ہاتھ میں میں بال ہما کا لے لوں

ایک قطعہ بھی کہا ہے ؎

یارب یہ مصحفی کی دعا ہے کہ آج کل
مشرق سے ایک بار کچھ ایسی ہوا چلے
جو خود بخود سپہر پہ چڑھ مثل آفتاب
مغرب زمیں کو تخت سلیماں چلا چلے

مصحفی دلی میں جن دنوں مقیم تھے جوانی کا عالم بقول حضرت امیر احمد علوی عاشق مزاج شاعر حسن و جمال کے پرستار ؎

---

[1] نگار ۱۹۳۱ء۔ جناب امیر احمد علوی (حیات مصحفی)

اے مصحفیؔ چل تو بھی قطب کو کہ کہیں ہیں
آتا ہے بہت چھڑیوں میں میوات کا عالم

لکھنؤ پہونچے وہاں نوچندی کا لطف سامنے تھا کہتے ہیں ؎

نوچندی آئی دھوم سے چل تو بھی مصحفیؔ
جاتی ہیں کربلا کو حسینوں کی ڈولیاں

مرزا سلیمان شکوہ کی ملازمت سے علیحدہ ہو گئے تو افلاس و تنگدستی نے آ گھیرا عاجز ہو کر لکھنؤ چھوڑنے پر تیار ہوئے۔

اب چلتے ہیں کہیں کو لکھنؤ سے   اے مصحفیؔ یہاں بہت رہے ہم

حضرت ناسخ

ایک مرتبہ ناسخ مشاعرہ میں ایسے وقت پہنچے کہ مشاعرہ ختم ہو چکا تھا خواجہ حیدر علی آتش موجود تھے دریافت کیا مشاعرہ ختم ہو چکا، انہوں نے جواب دیا سب کو آپ کا اشتیاق رہا شیخ صاحب نے یہ مطلع پڑھا ؎

جو خاص ہیں وہ شریک گروہ عام نہیں
شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

چوں کہ نام بھی امام بخش تھا اس لئے تمام اہل جلسہ نے تعریف کی۔

واقعہ

نواب نصیر الدین حیدر کے پاس شیخ امام بخش ناسخ گئے۔ نواب کے

سامنے حقہ تھا کہنے لگے شیخ صاحب اس پر بھی کچھ فرمایئے۔ فی البدیہہ کہتے ہیں ؎

حقہ جو ہے حضور معلی کے ہاتھ میں گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں
ناسخ یہ سب بجا ہے و لیکن تو عرض کر بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں۔

حضرت آتش لکھنوی

حضرت آتش نماز روزے کے کچھ زیادہ پابند نہ تھے جمعہ کا دن آیا ان کے ایک شاگرد نے آتش سے کہا مجتہد العصر آج پیش امامی فرمائیں گے آپ بھی شریک نماز ہو جایئے فی البدیہہ کہتے ہیں ؎

ہر جمعہ کو ظہور کا رہتا ہوں منتظر مشتاق ہوں امام کے پیچھے نماز کا

حضرت انشا دہلوی

میر انشاءاللہ خاں دہلی سے لکھنؤ آئے صاحب عالم سلیمان شکوہ کے دربار سے جرأت مصحفی۔ رنگین جیسے حضرات منسلک تھے انشاء بھی ان میں شامل ہوئے مصحفی سے چشمک تھی رنگین سے قدیم یارانہ تھا ہم مذاق اور باہمی لطف سخن میں شریک رہتے کہتے ہیں ؎

عجب رنگینیاں ہوتی ہیں کچھ باتوں میں اے انشاء
بہم مل بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم

حضرت انشاء صاحب عالم کے تخت نشینی پر کہتے ہیں ؎

دعا مانگے ہے انشاءاللہ اے یارو کہو آمیں

سلیمان کا جلوس میمنت مانوس ہم دیکھیں

ایک لونڈی طرحدار نواب سعادت علی خاں کی تھی وہ نواب کے نامہ و پیام انشاء اللہ خاں کے پاس لے جایا کرتی ایک دن اس نے کچھ وعدہ کیا اور بھول گئی جب وہ آئی تو کہنے لگے ؎

آئی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی　　　دانتوں کے نیچے داب زباں چٹ پلٹ گئی

وہ سلیقہ مند خادمہ تھی سمجھ گئی میں جو وعدہ کر گئی تھی اس کے ایفا نہ کرنے پر میر صاحب کا یہ ارشاد ہے۔

صاحب جان متخلص صاحبہ

صاحبہ حکیم مومن خاں کی محبوبہ تھی اس کو معلوم تھا حکیم صاحب بہت ہی زیادہ مٹے ہوئے ہیں وہ بے رخی کا برتاؤ کرتی تھی ایک دن اس کو مخاطب کر کے حکیم صاحب فرماتے ہیں ؎

تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ کھل جاتا
ترے دل کو مرے دل سی اگر اے بیوفا لگتی

غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم سے اپنا انتقام لیا تو مہاداجی سندھیا آیا اور اس نے شاہ عالم کو پھر تخت نشین کیا اس پر شاہ عالم فرماتے ہیں ؎

ملک مال سب کھوئے کر پڑے تمہارے بس　　　مادھوا ایسی کیجیو آوے تم کو جس

واقعہ

ایک مرتبہ ایک شہزادہ دربار میں ابوظفر بہادر شاہ کے پاس آئے اور کچھ عرض کرکے واپس گئے۔ حکیم احسن اللہ خاں بھی موجود تھے کہا حضور یہ آنا کیا تھا اور تشریف لے جانا کیا۔ صاحب عالم کی زبان سے اس وقت نکلا ؂

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بادشاہ سلامت نے ذوق کی طرف دیکھا انھوں نے بے توقف عرض کیا

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

تنگ ظرف

قلعہ معلیٰ کے تمام شہزادے حضرت ذوق کے شاگرد تھے۔ شہزادہ عالی ~~قدر~~ ~~بہت~~ دبا اور استاد کے منہ لگے ہوئے تھے وہ مرزا غالب کے کلام پر اکثر حرف گیری کیا کرتے ایک دن کچھ کہہ سن رہے تھے اتنے میں مرزا خضر سلطان بھی آ گئے حضرت ذوق نے ان کے آنے کا خیال نہ کیا طرہ یہ کہ خود بھی مرزا صاحب سے خوش نہ تھے عالی سے کہنے لگے یہ غزل آج ہی کہی ہے مقطع سنو ؂

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

خضر سلطان جب شہر آئے تو استاد سے کل ماجرا کہا جس سے مرزا نے بھی حضرت ذوق کی خبر لی ؂

یہ جب ذوقؔ نے سنا خضر سلطان سے پہلے ہی سے کھنچے رہتے تھے

فرماتے ہیں ؎

کہئے نہ تنگ ظرف سے اے ذوقؔ کبھی راز
کہہ کر اُسے سُنتا ہو ہزاروں سے تو کہئے

ظہیر دھلوی

ایک دن ظہیر حکیم مومن خاں کی غزل پر خمسہ لکھ کر حضرت ذوقؔ کو دکھانے لائے حضرت مومن کی استادی کا ذکر آگیا مگر وہ استاد کی مدح خوانی کرتے رہے

ذوقؔ نے فرمایا ؎

اے ذوقؔ کس کو چشم حقارت سے دیکھئے!
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

نثار علی شاہ

نثار علی شاہ دہلی کے ان لوگوں میں سے تھے جن کی سخن فہمی اور زبان دانی کی دھاک بندھی ہوئی تھی جس طرح منشی نبی بخش حقیرؔ اکبرآبادی کے مداح مرزا غالبؔ تھے ایسے ہی نثار علی شاہ کے معترف حضرت ذوقؔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

بجز نثار علی شاہ کون جانے ذوقؔ
تری زباں کا مزا تیری شعر خوانی میں

حضرت ذوق دہلوی

حضرت ذوق کو دن رات شعر گوئی کے سوا کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا بادشاہ کے یہاں سے تنخواہ ملتی خوشحالی سے زندگی بسر کرتے اپنے صاحب زادہ محمد اسمٰعیل کی تعلیم کی فکر ہی نہ تھی اور نہ زیادہ خبر گیری کرتے ان کے دوستوں نے کہا حضرت فکر سخن تو کرتے رہیے گا بچے کی تعلیم کا بھی لحاظ رکھئے اس سے ہی آگے آپ کا نام چلے گا کہتے ہیں ؎

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

دلّی میں سوائے حضرت بہادر شاہ کے دربار کے کہیں اور شعراء کا سہارا نہ تھا اور نہ دلّی کی سی صحبت و احباب مگر نظام دکن کی قدردانی سے اکثر شعرا دلّی چھوڑ دکن چلے جا رہے تھے مگر بعض وضع دار لوگ ایسے بھی تھے جو اس دربار سے بلکہ دلّی ہی سے جدا ہونا گوارا نہ تھا ہر حال میں رہنا اچھا سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ذوق کہتے ہیں ؎

گرچہ ہے ملکِ دکن میں ان دنوں قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر

دین و ایمان

حضرت ذوق قلعہ میں اپنا وقت بہت گذارتے وہاں کی حالت سب

آنکھوں کے سامنے تھی۔ شہزادہ و شہزادیاں عیش و عشرت میں مبتلا۔ لے دے کے صرف بادشاہ وظیفہ وظائف کے پابند تھے باقی اللہ کا نام۔ یہ حال دیکھ کر کڑھتے۔ قلعہ سے بڑھ کر شہر کے مسلمان لہو و لعب میں مبتلا۔ اہل علم بھی بچے نہ تھے

دین و ایماں ڈھونڈتا ہے ذوق کیا اسوقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

بیخبر و مہر

خان بہادر زود القدر خواجہ غلام غوث بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مغربی و شمالی کے دوست مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبر آبادی تھے۔ خواجہ بیخبر مبتلائے ہیضہ ہوئے اتفاقیہ مہر کو جب خبر ہوئی تو بے حد افسوس ہوا غسل صحت پر تقریب منائی گئی تو یہ قطعہ لکھ کر خواجہ بیخبر کے پاس بھیجدیا ؎

منشی غلام غوث ہیں مشہور بیخبر — ہم سا بھی بیخبر مگر اے مہر کم ہوا
اُن کے علیل ہونیکا فصل مبائی میں — مطلق نہ ہم کو علم خدا کی قسم ہوا
اب جو سنا تو رنج ہوا پھر یہ فکر ہو — اس سے سوا خوشی ہوئی جتنا کہ غم ہوا

ہاتف نے ایک مصرعہ تاریخ پڑھ دیا
اچھی طرح سے ہیضہ خدا کا کرم ہوا

اختر پیا جان عالم

مٹیا محل کلکتہ میں واجد علی شاہ کی طرف سے آئے دن مجالس عزا ہوا کرتیں

مشاعرے ہوتے خود واجد علی شاہ شریک مجلس ہوتے۔ لکھنؤ سے میر مہدی حدیث خواں پہونچے حکم ہوا کہ اس مجلس میں پڑھیں۔ مسند پر جا کے کہنے لگے سرکار۔ ایک زمین میں نے نکالی ہے۔ "تدبیریں دو" "زنجیریں دو" اس زمین میں سلام عرض کیا ہے ردیف کا ثبوت ہر شعر میں قابلِ ملاحظہ ہے۔ سلام پڑھا۔ واد علی پھر واجد علی شاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

تم کو پھر ملک ملے تخت ملے تاج ملے
ہم کو خلعت دو نہ منصب دو نہ جاگیریں دو

بادشاہ معزول نے بے حد تعریف کی اور اسی وقت خلعت عنایت کیا۔

واقعہ

اعادہ سلطنت و تخت و تاج کی دُعا سے کوئی مجلس و صحبت خالی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن واجد علی شاہ نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور یہ مصرعہ زبان پر جاری ہوا ؎

"باز آ تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی"

ماہتاب الدولہ درخشاں لکھنوی حاضر مجلس تھے فی البدیہہ مصرعہ لگا کر کہتے ہیں ؎

شان تو فی الملک دکھلا۔ دیکھی شان تنزع
باز آ تقصیر سے بس گوش مالی ہو چکی

اس کے بعد اسی وقت ایک تضمین میں طولانی خمسہ کہہ سنایا جس کے

ہر بند میں پانچواں مصرعہ یہی ہوتا تھا مطلع کے تین مصرعے یہ ہیں۔

نہ ہے یوں ساغر بادہ سدا اے چرخ گردش میں
نہ یوں تسبیح دستِ پارسا اے چرخ گردش میں
نہ ہے اس طرح سنگ آسیا اے چرخ گردش میں
رہے گا نجم اختر تا کجا اے چرخ گردش میں
باز آ تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی

اہلِ مجلس نے حاضر دماغی کی تعریف کی اور مسرور ہو کر بادشاہ نے دوشالہ عطا کیا۔

حضرت ریاض خیر آبادی

خلد آشیاں نواب کلب علی خاں نے حضرت ریاض کو رام پور بلایا۔ جس کی روداد جناب ریاض یہ لکھتے ہیں کہ :-

رام پور پہنچا استاد مرحوم (امیر مینائی) نے سرکاری مہمان نہ بننے دیا اپنے یہاں ٹھہرایا۔ سرکار سے اجازت لے لی تھی۔ دوسرے روز جناب داغ جناب منیر اور بعض شعرا مجھ سے ملنے آئے۔ جان صاحب مشہور ریختی گو دو بار روزانہ آتے تھے۔ میں برسم دیرینہ نواب آفتاب الدولہ قلق سے جا کر ملا۔ جناب اسیر موجود نہ تھے۔

شعرا، علما، فضلا و دیگر ممتاز حضرات روزانہ دربار میں جاتے اور دربار کا وقت ایک بجے تک تھا۔ درباری ہال سے ملا ہوا ایک کمرہ استاد مرحوم

کے لئے عوارض کی وجہ سے مخصوص تھا۔ درباری نشست گاہ سے کچھ دُور مصاحب منزل کی عمارت تھی سب حضرات وہاں موجود رہتے سرکار جسے یاد فرماتے چوبدار نام لے کر کہتا حضور یاد فرماتے ہیں۔ خلد آشیاں کا شاہی رعب ہر ہستی پر بہت زیادہ اثر انداز تھا البتہ شمس العلما مولانا عبدالحق علامہ خیرآبادی اس سے مستثنیٰ تھے۔ میں بھی حاضر ہوا شرف باریابی ہوا۔ رخصت کے وقت حسب ایما چوبدار ایک کشتی حضور کے روبرو لایا مجھے بھی قریب جانا پڑا۔ حضور نے خلعتی دوشالہ اپنے دست مبارک سے زیب دوش کیا۔ مقررہ آداب دربار کے موافق با ادب سلام کر کے جب مکان روانہ ہوا تو بے ساختہ یہ شعر موزوں ہو گیا[51]؎

ریاضؔ اس درجہ وہ نواب کی بخشش پہ عاشق تھی
لپٹ کر رہ گئی تقدیر خلعت کے دوشالے میں

واقعہ

مصاحب منزل میں جناب داغؔ جناب منیرؔ علامہ خیرآبادی نیز دو چار صاحب اور تشریف فرما تھے۔ حضرت ریاضؔ بھی پہونچے مصافحہ و معانقہ و مزاج پرسی کے بعد جناب داغؔ نے بہ اصرار کچھ سنانے کے لئے اُن سے ایما فرمایا۔ تعمیل ارشاد میں یہ مطلع پڑھا؎

---

[51] نگار ریاض نمبر جنوری فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۷

ہنگام نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہ کونسا موقعہ ہنسی کا تھا

تحسین وآفریں کی آواز ہر طرف سے ہمت افزائی کے لئے آئی۔

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش
سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

موجودہ لڑکیوں کی تعلیم پر کیا خوب کہا ہے ؎

کھل کھیلنے کو پردہ نشیں پاتے ہیں تعلیم
کچھ آپ زمانے کی ہوا دیکھ رہے ہیں

رونقِ محفل

خواجہ احمد فاروقی ایم اے نے ایک جگہ لکھا ہے :-

جناب ریاض دورِ آخر کے شاعر ہیں، اس وقت لوگ اپنی تباہ و برباد زندگی کو پرانی وضع کے ساتھ ہنس بول کر گذار دینا چاہتے تھے۔ ریاض بھی اسی ماحول کے فرد تھے۔۔۔ ان پر قدرت نے یہ اور نوازش کی تھی کہ ان کو طبعاً نشاط پسند اور زندہ دل بنایا تھا۔ بذلہ سنجی ان کے مزاج کا خمیر تھی۔ وہ نہایت باوضع خندہ رو، کشادہ جبیں اور باغ و بہار آدمی تھے محفل اور انجمن کی رونق ان کی موجودگی سے بڑھ جاتی تھی خود کہتے ہیں ؎

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی
کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا[1]

---

[1] نگار ریاض نمبر صفحہ ۵۳

منشی عبدالکریم اکبرآبادی

حافظ منشی عبدالکریم میر منشی ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند تھے اور حضرت آصف سے روابط زیادہ تھے حافظ صاحب کے اولاد نہ تھی اِس بنا پر حکیم بقا خاں دہلوی کی پوتی بیاہ لائے معمولی تقریب منائی گئی صرف کنبہ دار شریک کئے گئے احباب کو بلایا نہیں۔ حضرت واصف نے ساقی نامہ لکھ کر تمام احباب کے پاس بھیجا اور حافظ صاحب کو بھی نذر کیا گیا وہ پڑھ کر مسکرا دیئے اور پھر خود ان کو لینے گئے اور منا لائے۔ فرماتے ہیں ؎

پلا ساقیا ارغوانی شراب
وہ کالی گھٹا اور یہ ٹھنڈی نسیم

بہت جوش پر ہیں اِدھر بلبلیں
اُدھر مستیوں پر گلوں کی شمیم

مجھے ایک شادی کا کہنا ہے حال
نتیجہ ہے جس کا الف لام میم

نہ کام آیا کچھ عشق میں داؤں پیچ
پھنسا دام گیسو میں مردِ فہیم

پرانا ہے دولھا نئی ہے دلہن
ملے پختہ کاری سے یہ خام و سیم

قیامت میں بی بی یہ کام آئے گی
بدان راہ نیکی یہ بخشد کریم

مگر کچھ ہو ہم یہ کہیں گے ضرور
مبارک ہو شادی عبدالکریم

طالب اکبرآبادی

منشی تصدق حسین طالب اکبرآبادی ایک عرصہ تک جیلر رہے لیکن

چند دنوں تک شوق سخن فرمائیں ہو کر رہ گئے مگر بذلہ سنج اور خوش مذاق پھبتی میں وہ کسی کو بخشتے نہ تھے حتیٰ کہ اپنے خسر خان بہادر ڈاکٹر وزیر الدین پر قصیدہ لکھ ڈالا۔ ان کے سالے حافظ منشی عبدالکریم کے سی آئی ای وی او میر منشی ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند تھے ان کے عروج سے حسد تھا اور منشی صاحب نے ہی جیل کرایا تھا ان کے انتقال کے بعد بھی ان کو نہ چھوڑا کہتے ہیں ؎

قطعہ

بلند و پستی پہ اک نظر ہو — جب ہے انسان کچھ اماں سے
لحد پہ جا کے یہ کوئی پوچھے — جناب عبدالکریم خاں سے
کہاں گئے وہ غرور کے دن!
زمین اونچی تھی آسماں سے

ثاقب اور واصف

مرزا ذاکر حسین قزلباش لکھنوی اور ماسٹر تصوف حسین واصف اکبرآبادی ہر دو صاحبان میر مومن حسین صفی کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحب کی پیدائش آگرہ کی ہے ابتدائی زندگی وطن میں گذاری۔ ان کے مخصوص احباب میں مولوی انعام اللہ خاں برادر خورد مولوی احسان اللہ خاں ثاقب بھی تھے جب کبھی آگرہ آتے خاں صاحب کے یہاں ضرور آتے اور مقامی شعرا کی صحبت ہو جایا کرتی ایک دن مولوی نظام الدین شاہ دلگیر۔ واصف۔ مولوی سید نثار علی نثار۔

اسلام اللہ صوفی ۔ سید وجاہت علی وجاہت ۔ ماسٹر یعقوب علی خاں بی اے کوکب مجتمع تھے ۔ مرزا صاحب اپنی شاعرانہ انداز میں جانشینیٔ میر و غالب کا ذکر لے بیٹھے واصف سنتے رہے ۔ ہر ایک نے اپنا اپنا کلام سنایا آخر میں واصف صاحب نے فی البدیہہ غزل کہہ کر سنائی ؎

کہتے ہیں وہ بت بے پیر بنا پھرتا ہوں
سرو سا قد جو بنا تیر بنا پھرتا ہوں

دیکھ کے مجکو بگڑ کر بھی ہے وہ رنگ کشش
تجھ سے کھنچکر تری تصویر بنا پھرتا ہوں

گردشوں سے کبھی فرصت نہیں دم بھر مجکو
اب تو میں اپنی ہی تقدیر بنا پھرتا ہوں

صفحۂ دہر پہ دیکھو قد موزوں میرا
خامۂ کاتب تقدیر بنا پھرتا ہوں

خاک بھی مجکو لیاقت نہیں پر اے واصف
دل کو یہ خبط ہے میں میر بنا پھرتا ہوں

رخصت خلیفہ

کمال پاشا کے اقتدار کے بعد عثمانیہ خلافت کا چراغ گل ہوا آخری خلیفۂ روم رخصت ہو گئے ۔ ریوٹر سے یہ خبر جب آئی حضرت اکبر فرماتے ہیں ؎

بنگلوں سے نماز اور وظیفہ رخصت
کالج سے امام ابو حنیفہ رخصت

صاحب سے سنی ہے اب قیامت کی خبر
قسطنطنیہ سے ہوئے خلیفہ رخصت

ہندی اُردو

ہندی اُردو کا بھی ایک زمانہ میں قضیہ ہنگامہ خیز تھا ۔ اُردو کے بڑے

بڑے ہی خواہ سربکف اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہیں جلسے ہو رہے ہیں دھواں دھار تحفظ اُردو پر تقریریں ہو رہی ہیں۔ اخبارات نے اور آگے قدم بڑھایا۔ حضرت اکبر کا ارشاد بھی لطف سے خالی نہیں کہتے ہیں ؎

ہندی

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہ تھی کام کی بات

بس کہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

مدخولہ گورنمنٹ

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا !!
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کی گوپیوں میں

واقعہ

تحریک خلافت کا زور شور تھا مولانا محمد علی و شوکت علی اور مہاتما گاندھی سے ملے جلے سیاسی ہنگامے بپا کیے ہوئے تھے۔ اجمیر میں خلافت کا جلسہ عظیم الشان پیمانہ پر ہوا۔ اس موقعہ پر میر احدی نے یہ کلام پڑھ کر سنایا اہلِ جلسہ نے بڑی داد دی ؎

اے میرے پیچ و خم وہ کہاں لطفِ یار میں
پیچیدگی بلا کی ہے ریوٹر کے تار میں

یورپ کے فیشنوں کی گئے جاؤ پیروی
دولت اڑائے جاؤ چرٹ اور سگار میں

کہتے ہیں شیخ امن سبھا کا بنا ہے رکن
تو یہ بھی مبتلا ہوا فصلی بخار میں

بتلائیے کہ پھر رہے ہندوں کو کس کا خوف
جب محتسب شریک ہو خود لوٹ مار میں

کچھ کم نہیں ہیں شوکت و گاندھی بھی برق سے
تھے سندھ میں ابھی ابھی چمکے بہار میں

اب دیکھتے ہیں طلعت سوراج کب ملے
بیٹھے ہیں اہل ہند اسی انتظار میں

عہد شباب میں نہ کوئی نذر موت ہو
اجڑے کسی کا گھر نہ عروج بہار میں

کہتے ہیں تیر دورِ خلافت میں مر گیا
آخر غریب چل ہی بسا ہجرِ یار میں

حضرت جوہر رامپوری

مولانا محمد علی جوہر جن دنوں قرول باغ میں قیام پذیر تھے راقم سطور بہارؔ
الور کے نام ایک سفارشی چٹھی لکھوانے آگرہ سے گیا۔ مولانا سے میرے تعلقات
اس وقت سے تھے جب کہ وہ بڑودہ میں اکسائز کے کمشنر اور میرے بھائی مہدی حسین
قریشی اسسٹنٹ انجنیر کے عہدہ پر فائز تھے۔ جتنے یو۔پی کے رہنے والے بڑودہ پہنچ
گئے تھے آپس میں ہفتہ میں ایک دو بار ضرور مل لیا کرتے۔ راقم سطور حضرت مفتی
محمد رمضان مرحوم سے علوم عربیہ کی تحصیل کے بعد بڑودہ کلابھون میں انجنیرنگ
کی تعلیم کے لئے گیا۔ کم عمر تھا مگر باتیں بنانے اور لطیفہ گوئی کا بڑا شوق۔ پروفیسر نور علی
ساکن نیوتنی۔ نواب صدر الدین حسن خاں ثاقب کانپوری۔ فدا علی خاں رامپوری
حکیم امداد علی لکھنوی وغیرہ کبھی انجنیر صاحب کے یہاں کبھی مولینا کے یہاں جمع ہوتے
مولینا مغربی لباس و معاشرت کے دلدادہ تھے۔ غرضیکہ مولینا کے پاس حاضر ہوا

اور اس وقت میرے مکرمی دوست مولانا آزاد سبحانی بھی آ گئے۔ ہم دونوں ایک ساتھ سواریوں سے اترے۔ مولانا باہر کے کمرے میں رونق افروز گاڑھے کے کپڑے پہنے اور ایک پلنگڑی جس پر گاڑھے کی چادر بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھے ہوئے سامنے کرسیاں بچھی ہوئی ہم دونوں کمرے میں پہونچے مولانا نے ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ کیا۔ اِن دنوں مولانا ابوالکلام آزاد اور حسرت موہانی سے انھیں سیاسی اختلاف تھا مولانا آزاد سبحانی اِس قصہ کو لے بیٹھے۔ مولانا نے کہا عرصہ ہوا ایک غزل لکھی تھی اس کا ایک شعر اب تک یاد ہے مولانا خود اس سے نتیجہ نکال لو ؎

میں ہوں رہینِ حسرتِ آزاد آج کل
جس نے کہ خفتہ روح کو بیدار کر دیا

لطف کے لئے پوری "غزل" کلام جوہر" سے پیش ہے ؎

اظہارِ حق جو تم نے سرِ دار کر دیا
منصور وش ہزاروں کو ہشیار کر دیا

جور و ستم نے خوگرِ آزار کر دیا
یعنی ہماری روح کو بیدار کر دیا

آزاد وہ ہے جس کا کہ آزاد ہو خیال
پھر کیا ہوا جو تم نے گرفتار کر دیا

تعبیر جس کو کرتے ہیں دیوانہ پن سے آپ
لاکھوں کو اس جنوں ہی نے بیدار کر دیا

سوچا بھی ہے حضور نے یہ غور سے کبھی
کس بات نے غلاموں کو بیزار کر دیا

مانا کہ ہوں گی عشق میں معجز نمائیاں
ہم کو تو اس کے شغل نے بیکار کر دیا

لینا نہ چاہیے تھی خبر کیا غریب کی
تم نے جسے سیہ رو شبِ تار کر دیا

مسلم اٹھو کھلا ہے وہ دروازہ جیل کا
یوسفؑ کو جس نے مصر میں سردار کر دیا

میں ہوں رہینِ حسرت آزاد آج کل
جس نے کہ خفتہ روح کو بیدار کر دیا

ایوس ہونا رحمتِ حق سے بھی کفر ہے
ہو جائے یہ خیال تو بس پار کر دیا

جس نے پڑھی ہے ذوق سے یاں عشق کی نماز
اس نے زمیں کو خون سے گلزار کر دیا

نگہت ترانے گائے ہیں لاکھوں ہی نے وہ
جو ھری کی لے نے سب ہی کو ہشیار کر دیا

دوپہر کا کھانا ہم دونوں نے وہیں کھایا، سفارشی خط لے کر شام کو رخصت ہوئے۔

حسرت موہانی

احباب سے مخصوص نہ اغیار پہ موقوف
عیشِ دو جہاں ہے کرمِ یار پہ موقوف

کر سکتے ہیں خاموش بھی ہم دین کی خدمت
یعنی یہ نہیں شورشِ اخبار پہ موقوف

قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب
جو ڈاک پہ موقوف نہ ہیں تار پہ موقوف

آساں نہیں اقوال سے اخراجِ نتائج
یہ بات ہے کچھ دانشِ آثار پہ موقوف

منصور کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت
ہے طنطنۂ اہلِ رضا دار پہ موقوف

قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ
اقوام میں افراد کے ایثار پہ موقوف

کیا چیز تھی حسرت غمِ جاناں کی فراغت!!
جس کا ہے بیاں میرے دلِ زار پہ موقوف

جامی غالب اقبال

کسی قدیم استاد نے اساتذہ کی جانشینی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح ختم کیا ہے ؎

زخسرو چو نوبت بہ جامی رسید　　بہ جامی سخن را تمامی رسید

مرزا غالب نے اس پر اس شعر کا اضافہ کیا ؎

زجامی و عرفی و طالب رسید　　زعرفی و طالب بہ غالب رسید

آقائے سید محمد علی ایرانی یہ اضافہ کرتے ہیں ؎

چو غالب زہندوستاں رخت بست　　بجائے وے اقبال دانا نشست
یقیں داں سخن دانی باستاں　　بماند بہ ہندوستاں جاوداں

قاضی جلال الدین مراد آبادی

قاضی جلال الدین مراد آبادی تاریخ دانی میں صاحب کمال ہیں اُن کو فن جغرافیہ میں ید طولیٰ ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں ایک عرصہ تک لیکچرر رہے ہیں لطیفہ گوئی رفیق طبیعت بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔ راقم سطور کے احباب خاص سے ہیں۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم سے قاضی صاحب کے گہرے مراسم رہتے چنانچہ نواب صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں ؎

زفضل قاضیٔ حاجات ذوالجلال منن
فرید عصر بود قاضیٔ جلال الدین

ز فیض تربیت او بہ کالج قومی
رسید بہرہ وافر بہ ہر کہن و مہین

مثالِ خویش ندارد بہ فنِ جغرافی
چون کہ نیست مزمل بہ علم و فضل قرین

غلام گردش

ایک روز مرزا غالب فتح الملک بہادر مرزا فخرالدین سے ملنے گئے جب غلام گردش میں پہونچے خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب تشریف لا رہے ہیں، صاحب عالم مشغول تھے مرزا صاحب ٹہلتے رہے فتح الملک نے کچھ دیر بعد خادم سے پکار کر کہا اسے دیکھ مرزا نوشہ کہاں ہیں، مرزا صاحب نے وہیں سے جواب دیا "غلام گردش" میں ہے۔ صاحب عالم مسکراتے ہوئے آئے اور ان کو ہاتھ لے گئے۔

واقعہ

مرزا غالب اور مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری مشاعرہ سے لوٹے ہر دو صاحب باتیں کرتے ہوئے ایک تنگ کوچہ سے گذرے راہ روکے ہوئے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا نے کہا مرزا صاحب دلّی میں گدھے بہت ہو گئے ہیں۔ مرزا صاحب نے بیساختہ کہا نہیں مولانا باہر سے آجاتے ہیں۔ مولانا بہت خفیف ہوئے۔

غالب اور بیخبر

مرزا اسد اللہ خاں غالب سے اور خان بہادر ذوالفقار خواجہ غلام غوث بیخبر الہ آبادی سے گہرے مراسم تھے ان کو خط میں ایک شعر قائم چاندپوری کا تصرف کر کے اس طرح لکھا ؎

ان دنوں ہم سے نہ کیوں اسے پیار آئے روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا

قائم کا شعر ہے ؎

ظالم تو مری سادہ دلی پر تو رحم کر روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

لطیفہ

نواب علاء الدین احمد خاں مرزا صاحب کے شاگرد تھے ان کے والد نواب امین الدین احمد خاں علاء الدین احمد خاں سے خفا تھے کچھ عرصہ بعد شکر رنجی رفع ہوئی مرزا صاحب کو خبر لگی علائی کو حافظ کے یہ شعر یوں لکھے ؎

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح افتاد
حوریان رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
قدسیان بہر دعائے تو وہ الا پدرت
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ختم

ا؎ شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد
۲؎ آسمان بار امانت نتوانست کشید